مروجہ نظامِ شہریت اور اسلامی شریعت

احمد نور عینی
ahmadaini123@gmail.com

مروجہ نظامِ شہریت — ایک تعارف

کسی بھی مملکت کی آبادی کا قانونی فرد بننے اور ہر قسم کے شہری وسیاسی حقوق وفرائض حاصل کرنے کے لئے اس مملکت کی شہریت کا حصول ضروری ہے، کسی بھی مملکت میں دو طرح کے لوگ رہتے ہیں، ایک: شہری، دوسرے: غیر ملکی یا اجنبی، شہری کے لغوی معنی ''شہر کا باشندہ'' کے ہیں اور سیاسیات کی اصطلاح میں اس سے مراد مملکت کا وہ باشندہ ہے جسے قانوناً مملکت کے تمام حقوق شہریت سے ا دہ کا حق حاصل ہوتا ہے اور مملکت کی طرف سے عائد ہونے والے فرائض کی انجام دہی قبول کرنی پڑتی ہے، غیر ملکی شخص چوں کہ مملکت کا قانونی باشندہ نہیں ہوتا، اس لئے اسے بہت سارے حقوق حاصل نہیں ہوتے، مثلاً وہ ووٹ نہیں دے سکتا، الیکشن نہیں لڑ سکتا وغیرہ، اسی طرح وہ بہت سے فرائض سے بھی سبک دوش رہتا ہے۔

شہریت کی قسمیں (Kinds of Citizenship)

شہریوں کی دو قسمیں ہیں: پیدائشی شہری (Natural Citizen) اور اکتسابی شہری (Naturalised Citizen) ان دونوں قسموں کے پیش نظر حصولِ شہریت کے دو طریقے مروج ہیں: پیدائشی اور اکتسابی۔

ا- پیدائشی شہریت (Natural Citizenship)

پیدائشی شہریت سے مراد پیدائش کی بنیاد پر ملنے والی شہریت ہے، اس کے لئے کسی قانونی کاروائی کی ضرورت نہیں؛ بلکہ بچہ کا پیدا ہوجانا ہی حصولِ شہریت کے لئے کافی ہے، پیدائش کی بنیاد پر حاصل ہونے والی شہریت کے دو اُصول ہیں، ایک: جائے پیدائش کا اُصول، دوسرا: خونی رشتہ کا اُصول، پہلے کو اصطلاح میں "Jussoli" اور دوسرے کو "Jussan Guinis" کہا جاتا ہے، پہلے اُصول کے مطابق بچے کے والدین کی شہریت سے قطع نظر بچے کی جائے پیدائش کا اعتبار کیا جاتا ہے، سیاسیات کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ارجنٹائنا میں اسی اُصول پر عمل ہے؛ لہٰذا ارجنٹائنا کی سرزمین پر پیدا ہونے والا ہر بچہ ارجنٹائنا کا شہری ہے، خواہ اس کے والدین غیر ملکی ہوں اور ارجنٹائنا سے باہر پیدا ہونے والا ہر بچہ غیر ملکی ہے خواہ اس کے والدین ارجنٹائنا کے شہری ہوں، دوسرے اُصول کے مطابق بچہ کی جائے پیدائش سے قطع نظر اس کے والدین کی شہریت کا اعتبار کیا جاتا ہے، جرمنی، سویڈن اور سوئزرلینڈ وغیرہ میں اسی اُصول پر عمل ہے؛ لہٰذا جرمنی کی شہریت رکھنے والے والدین کا ہر بچہ جرمنی کا شہری ہے، خواہ وہ جرمنی کے باہر پیدا ہوا ہو اور غیر ملکی والدین کا ہر بچہ غیر ملکی ہے خواہ وہ جرمنی کی سرزمین پر پیدا ہوا ہو، اس وقت دنیا کی زیادہ تر مملکتیں اسی خونی رشتے کے اُصول پر عمل پیرا ہیں؛ البتہ بعض مملکتیں مثلاً: امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ اپنے شہریوں کے متعلق خونی رشتے کے اُصول پر اور غیر ملکیوں کے بچوں کے متعلق جائے پیدائش کے اُصول پر عامل ہیں۔

۲- اکتسابی شہریت(Naturalised Citizenship)

اکتسابی شہریت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص پیدائشی طور پر کسی مملکت کا شہری ہے؛ لیکن وہ کسی دوسری مملکت کا شہری بننا چاہتا ہے، تو وہ اب اس دوسری مملکت کی جو شہریت حاصل کرے گا وہ اکتسابی شہریت کہلائے گی، اکتسابی شہریت حاصل ہونے کے ضابطے ہر مملکت میں یکساں نہیں ہیں، فی الجملہ جو طریقے رائج ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں :

(۱) زمین خریدنا، (۲) سرکاری ملازمت اختیار کرنا، (۳) لمبے عرصے تک قیام کرنا، (۴) غیر ملکی والدین کے بچوں کو بالغ ہونے کے بعد شہریت کا اختیار حاصل ہونا، (۵) غیر ملکی عورت کا کسی شہری سے شادی کرنا، (٦) حصولِ شہریت کی درخواست داخل کرنا۔

شہریت سے محرومی کے اسباب

مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر کسی بھی شہری کی شہریت منسوخ کی جاسکتی ہے :

(۱) کسی دوسری مملکت کی سرکاری ملازمت اختیار کرنا، (۲) طویل مدت تک مملکت سے باہر رہنا، (۳) مملکت سے غداری کرکے یا میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرکے کسی دوسری مملکت میں پناہ لینا، (۴) کسی دوسری مملکت کی باضابطہ شہریت اختیار کرنا، (۵) کسی شہری عورت کا کسی غیر ملکی سے شادی کرنا۔

شہریوں کے حقوق

مملکت کے شہریوں کو مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں :

(۱) زندہ رہنے کا حق، (۲) جائداد یا ملکیت کا حق، (۳) خاندانی زندگی کا حق، (۴) آزادیِ تحریر و تقریر یا اظہار رائے کا حق، (۵) مذہبی آزادی کا حق، (٦) قانونی برابری کا حق، (۷) حصولِ تعلیم کا حق، (۸) انجمن یا تنظیم وغیرہ بنانے کا حق، (۹) کام کرنے کا حق، (۱۰) آپسی لین دین اور عقد و معاہدہ کا حق، (۱۱) شخصی آزادی کا حق، (۱۲) ووٹ دینے کا حق، (۱۳) انتخاب لڑنے کا حق، (۱۴) حکومت اور سیاست دانوں کے خلاف تنقید کرنے کا حق، (۱۵) سیاسی پارٹی یا سیاسی و نیم سیاسی تنظیم بنانے کا حق، (۱٦) سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا حق، (۱۷) شکایتوں کے ازالے کے لئے درخواست دینے کا حق، (۱۸) حقوق کو منوانے کا حق وغیرہ۔

شہریوں کے فرائض

مملکت کی طرف سے شہریوں پر عائد ہونے والے وہ فرائض جن کی بجا آوری از روئے قانون ضروری ہے، حسبِ ذیل ہیں :

(۱) قانون کی اطاعت، (۲) اسٹیٹ کے ساتھ وفاداری، (۳) ٹیکس کی ادائے گی، (۴) امن اور قانون کو برقرار رکھنے میں حکومت کے ساتھ تعاون، (۵) مملکت کی مدافعت وغیرہ۔

(دیکھئے: اُصولِ سیاسیات: ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی: ۱۳۱-۱۵۳، ط: ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، پرنسپل آف پولیٹکل سائنس: این گلکرسٹ: ۲۳۲-۲۳۸)

اسلام میں شہریت کا تصور

''شہریت'' یا ''الجنسیة'' یا "Citizenship" جدید دور کی وضع کردہ اصطلاحات ہیں، فقہ اسلامی کا ذخیرہ ان سے نا آشنا ہے؛ لیکن شہریت کا جو بنیادی مفہوم ہے یعنی کسی مملکت کا مستقل باشندہ بننا، اس کا واضح تصور فقہ اسلامی کے ذخیرے اور خاص کر ''سیر'' کے ابواب میں ہمیں بہ کثرت ملتا ہے، فقہاء اسلام مسلم مملکت کے باشندے کو ''من أهل دار الإسلام'' یا ''من أهل دارنا'' سے، غیر مسلم مملکت کے باشندے کو ''من أهل دار الحرب'' یا ''من أهل دارهم'' سے اور معاہد مملکت کے باشندے کو ''من أهل دار الموادعة'' یا ''من

أهل دار الموادعين'' سے تعبیر کیا کرتے تھے، مثلاً بدائع الصنائع میں ہے :

لا تقبل شهادة المستأمن على الذمي ؛ لأنه ليس من أهل دار الاسلام حقيقة وإن كان فيها صورة ؛لأنه ما دخل دارنا للسكنى فيها ؛ بل ليقضي حوائجه ثم يعود عن قريب ، فلم يكن من أهل دار الإسلام ، والذمي من أهل دار الإسلام .

(بدائع ، فصل في شرائط ركن الشهادة ، كتاب الشهادة :۵/۴۲۳)

مستامن کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی ؛ کیوں کہ وہ (مستامن) حقیقت میں دارالاسلام کا باشندہ نہیں ہے؛ اگر چہ صورتاً وہ دارالاسلام میں قیام پذیر ہے، اس لئے کہ وہ ہماری مملکت میں رہائش اختیار کرنے نہیں آیا؛ بلکہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے آیا ہے اور پھر بہت جلد ہی وہ واپس لوٹ جائے گا؛ لہٰذا وہ دارالاسلام کا باشندہ نہیں ہے، جب کہ ذمی دارالاسلام کا باشندہ ہے۔

...... **لأن الحربي المستأمن من أهل دار الحرب ، وإنما دخل دار الإسلام على سبيل العارية لقضاء بعض حاجاته لا للتوطن ، فلا يبطل حكم دار الحرب في حقه كالمسلم إذا دخل دار الحرب بأمان ؛ لا يصير بالدخول من أهل دار الحرب ....**

(بدائع ، كتاب النكاح ، الفصل الأخير :۲/۲۵۸)

...... کیوں کہ غیر ملکی مستامن دارالحرب کا باشندہ ہے اور دارالاسلام میں وقتی طور پر اپنی بعض ضروریات پوری کرنے آیا ہے، دارالاسلام کو اپنا وطن بنانا اس کا مقصد نہیں ہے؛ اسی وجہ سے دارالحرب میں امان کے ساتھ داخل ہو تو وہ محض دارالحرب میں داخل ہونے کی وجہ سے دارالحرب کا باشندہ نہیں کہلائے گا۔

شرح السیر الکبیر میں ہے :

لو أن هولاء المستامنين كانوا من أهل دار الموادعة دخلوا إلينا بتلك الموادعة .

(باب مايجب على المسلمين نصرتهم :۵/۱۷۱، من المكتبة الشاملة، الإصدار الثاني)

اگر یہ مستامنین دارالموادعہ کے باشندے ہوں تو یہ لوگ اس (سابقہ) معاہدہ کی وجہ سے (پرامن طور پر) ہماری مملکت میں داخل ہو سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا عبارتیں بہ طور مثال پیش کی گئی ہیں ؛ ورنہ اس طرح کے بے شمار مسائل کتبِ فقہ میں موجود ہیں جو دارالعہد، دارالحرب اور دارالاسلام: تینوں داروں کی مستقل علاحدہ شہریت کا تصور پیش کرتے ہیں، بدائع کی مذکورہ بالا عبارت میں موجود ''توطن'' کا لفظ شہریت کے سلسلہ میں بالکل صریح ہے؛ کیوں کہ اس لفظ میں شہریت کا مفہوم پایا جاتا ہے؛ چنانچہ القاموس الوحید میں ہے :

توطن البلد : ''وطن بنانا'' . (القاموس الوحید:۱۸۶۸، ط: کتب خانہ حسینیہ دیوبند)

اور ظاہر ہے شہریت بھی کسی ملک کو اپنا مستقل وطن بنانے کے لئے حاصل کی جاتی ہے ؛ لہٰذا فقہ اسلامی کی رو سے مستامن گو دارالاسلام میں اقامت پذیر رہتا ہے؛ لیکن چوں کہ اس کا مقصد دارالاسلام کو اپنا مستقل وطن بنانا نہیں ہوتا، اس لئے وہ دارالحرب کا شہری ہے، ذمی چوں کہ دارالاسلام کو مستقل اپنا وطن اور مسکن بنالیتا ہے، اس لئے وہ دارالاسلام کا شہری ہے، دارالاسلام کی طرف ہجرت کر کے آنے والا مسلمان دارالاسلام کا شہری ہے اور معاہد مملکت کے باشندگان دارالعہد کے شہری ہیں۔

اسلامی شہریت کی بنیادیں

اسلام نے شہریت حاصل کرنے والے کے اعتبار سے حصولِ شہریت کی دو بنیادیں مقرر کی ہیں : غیر مسلموں کے لیے عقد ذمہ

اور مسلمانوں کے لیے ہجرت۔

(۱) عقد ذمہ : کسی غیر مسلم کا ادائیگی جزیہ پر رضامند ہوکر اسلامی قانون کے تحت دارالاسلام میں مستقل رہائش اختیار کرنے کا عقد کرنا ''عقد ذمہ'' کہلاتا ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے :

عقد الذمة : اقرار بعض الكفار على كفره بشرط بذل الجزية و التزام أحكام الاسلام الدنيوية . (موسوعہ فقہیۃ:۱۲۱/۷)

عقد ذمہ: بعض کفار کو ان کے کفر پر برقرار رکھنا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ جزیہ ادا کریں اور اسلام کے دنیوی احکام کی بجا آوری کریں۔

اس کی اصل قرآن کریم کی یہ آیت :

قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوْا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُوْنَ . (التوبۃ:۲۹)

جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اورروزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ ا اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے :

...... وإذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم إلٰى ثلاث خصال أو خلال ، فأيتهن ما أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم : ثم ادعهم إلى الإسلام ...... فإن هم أبوا فاسئلهم الجزية ، فإن هم أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم ، فإن هم أبوا فاستعن بالله وقاتلهم .

(مسلم : كتاب الجهاد ، باب تأمير الإمام الأمراء:۴۵۲۲)

جب (جنگ میں) تیری ملاقات مشرک دشمنوں سے ہو تو ان کو تین باتوں کی دعوت دے، ان تینوں میں سے جس بات پر بھی وہ آمادہ ہو جائیں تو اسے قبول کر لے اور ان سے ہاتھ روک لے، انھیں اسلام کی دعوت دے......اگر انکار کریں تو جزیہ کا مطالبہ کر، اگر وہ اس پر رضامند ہو جائیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ا سے مدد طلب کر اور شمشیر آزمائی شروع کر دے۔

مذکورہ بالا آیتِ قرآنی اور حدیث نبوی دونوں کا مفہوم یہی ہے کہ اگر غیر مسلم جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائے تو اسے دارالاسلام کا باشندہ بنالیا جائے گا اور اس کی جان و مال سے تعرض نہیں کیا جائے گا، گویا عقد ذمہ کرنا جدید اصطلاح میں مسلم اسٹیٹ کی شہریت اختیار کرنا ہے؛ چنانچہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی عقد ذمہ کو اسلامی شہریت کا مترادف قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں :

فهذه الذمة تعطى أهلها من غير مسلمين ما يشبه فى عصرنا الجنسية السياسية التى تعطيها الدولة رعايا فيكتسبون بذلك حقوق المواطنين ويلتزمون بواجباتهم ...... فالذمي على هذا الأساس " من أهل دارالإسلام " كما يعبر الفقهاء ، أو " من حامل الجنيسة الإسلامية " كما يعبر المعاصرون " . (غير المسلمين فى المجتمع الإسلامى:۷)

غیر مسلم ذمیوں کو دیا جانے والا یہ ذمہ جدید دور میں مملکت کی طرف سے رعایا کو دی جانے والی ''شہریت'' کے مترادف ہے؛ چنانچہ اس کی وجہ سے اہل ذمہ کو شہریوں کے حقوق حاصل ہوتے ہیں اور شہریوں کی

ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ؛ لہٰذا اس بنیاد پر ذمی فقہاء کے الفاظ میں دارالاسلام کا باشندہ ہے ، یا معاصر اہل علم کی اصطلاح میں اسلامی شہریت کا حامل شہری ہے۔

اگر شہریت کا طالب شخص غیر مسلم ہے، یعنی اسلامی سیاست کے اُصولوں کو دل وجان سے تسلیم نہیں کرتا ہے تو مسلم مملکت کا شہری بننے کے لئے دلالتاً یا صراحتاً، تبعاً یا اصالتاً عقد ذمہ کرنا پڑے گا : صراحتاً ذمی بننے کا مطلب ہے کسی ایسے لفظ سے عقد کرنا جو ذمی بنائے جانے پر دلالت کرے، دلالتاً کا مطلب ہے کوئی ایسا عمل کرنا جو ذمی بننے کی آمادگی پر دلالت کرے، اصالتاً کا مطلب ہے خود عقد ذمہ کرنا اور تبعاً ذمی بننے کا مطلب ہے خود عقد ذمہ نہ کرنا ؛ بلکہ کسی کے عقد ذمہ میں تبعاً شامل ہوجانا ؛ چنانچہ بدائع میں ہے :

أما النص فهو لفظ يدل عليه ، وهو لفظ العهد والعقد على وجه مخصوص وأما الدلالة فهي فعل يدل على قبول الجزية . (كتاب السير ، فصل في الأمان المؤبد:۶/۷۸)

بہر حال صراحتاً تو وہ ایسا لفظ ہے جو اس (عقد ذمہ) پر دلالت کرے، خاص کر عہد اور عقد کا لفظ اور دلالتاً کا مطلب ہے کوئی ایسا کام کرنا جو جزیہ قبول کرنے پر دلالت کرے۔

اور شرح السیر الکبیر میں ہے :

لو صار أحدهما ذمياً كان الصغار من الأولاد تبعاً له . (باب الوقت الذي يمكن فيه:۵/۱۴۹)

اگر والدین میں سے کوئی ایک ذمی ہوجائے تو چھوٹے بچے بھی تبعاً ذمی بن جائیں گے۔

دلالتاً ذمی بننے کی تین صورتیں ہیں :

(۱) لمبی مدت تک قیام کرنا: احناف، بعض حنابلہ اور شوافع کے ایک قول کے مطابق مستامن کو زیادہ سے زیادہ ایک سال کی مدت تک کی امان دی جاسکتی ہے، اگر وہ ایک سال کی مدت سے زیادہ اقامت پذیر رہے تو اسے ذمی بنالیا جائے گا، (دیکھئے: درمختار مع ردالمحتار:۶/۲۷۸، مغنی المحتاج :۴/۲۳۸، الانصاف: کتاب الجہاد، باب الامان:۱۳/۲۵۶) شوافع کے یہاں مشہور قول کے مطابق امان کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ ہے، (دیکھئے: مغنی المحتاج :۴/۲۳۸) حنابلہ کے یہاں مدتِ امان کی تعیین امام کی صواب دید پر موقوف ہے۔ (دیکھئے: المغنی: مسالۃ أمان الرجل والمرأۃ: فصل، طلب الامان لیسمع کلام ا :۱۳/۷۹)

اگر امان فراہم کئے جانے کے وقت مدت کی تعیین نہ کی گئی ہو تو احناف کے یہاں صحیح قول کے مطابق سال کا شمار اس وقت سے ہوگا، جب مستامن کو امام یا حکومت کی طرف سے واپس جانے کی ہدایت وصول ہو۔ (دیکھئے: درمختار مع ردالمحتار:۶/۲۷۸)

(۲) شادی کرنا: احناف کے نزدیک غیر مسلم مملکت کی کوئی عورت اگر دارالاسلام کے کسی مرد سے شادی کرلے تو وہ دلالتاً ذمیہ بن جائے گی ، (دیکھئے: بدائع الصنائع: کتاب السیر، فصل الامان المؤبد:۶/۷۹) حنابلہ کا موقف بہ ظاہر اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھئے: المغنی: مسالۃ أمان الرجل والمرأۃ: فصل دخلت الحربیۃ إلینا:۱۳/۸۲)۔

(۳) زمین خریدنا: مستامن اگر دارالاسلام میں کہیں زمین خرید کرے اور اس پر خراج عائد ہوجائے تو وہ ذمی بن جائے گا۔ (دیکھئے: درمختار مع ردالمحتار:۶/۸۳)۔

غیر مسلموں کو مسلم مملکت کی شہریت دینے کے لئے زمانہ وحالات اور علاقہ ومکان کی مناسبت سے سیاسی وانتظامی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء کے صراحت کردہ مذکورہ بالا طریقوں میں کسی ایک کو یا چند کو یا سبھی کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے ؛ البتہ شہریت کے طالب کو رجسٹریشن کا پابند بنانا اور حکومت کی طرف سے منظوری کے بعد ہی اسے شہریت دینا موجودہ حالات میں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وا اعلم

(۲) ہجرت : فقہاء نے دارالاسلام کا شہری بننے کے لئے جس عقد ذمہ پر تفصیلی بحث کی ہے، وہ غیر مسلموں کے ساتھ خاص ہے، مسلمانوں کو دارالاسلام کا شہری بننے کے لئے اس طرح کے کسی عقد کا کوئی تذکرہ نہ فقہ اسلامی کے عظیم ذخیرے میں ملتا ہے اور نہ تاریخ

اسلامی کے ضخیم لٹریچر میں ؛ کیوں کہ شرعی نقطۂ نظر سے ''دائرۂ اسلام'' میں آجانا ہی ''دارالاسلام'' میں آنے اور آ بسنے کی اجازت حاصل کر لینا ہے، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ دارالحرب کا کوئی مسلمان جب تک ہجرت کر کے دارالاسلام کے حدود میں داخل نہ ہو جائے وہ دارالاسلام کا حقیقی شہری نہیں کہلائے گا اور مملکت اسلامیہ کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہوگی ؛ البتہ دینی اُخوت اور دین کی بنیاد پر ہر جائز نصرت کا تعلق بہر صورت برقرار رہے گا ؛ چنانچہ ارشاد باری ہے :

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّن وَلايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَإِنِ اسْتَنصَرُوْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلاَّ عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيْثَاقٌ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْر . (الانفال:٧٢)

اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت نہیں کی تو تمہیں ان پر ولایت حاصل نہ ہوگی ؛ تا آں کہ وہ ہجرت کر لیں اور اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرنا تم پر ضروری ہے، مگر ان لوگوں کے خلاف جن سے تمہارا معاہدہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

سورۂ ممتحنہ کی دسویں آیت میں بھی اس بات کے اشارے موجود ہیں ؛ فرمانِ باری ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا جَاءَ كُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اللهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ . (الممتحنة:١٠)

اے ایمان والو! جب مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لے لیا کرو، اللہ ان کے ایمان سے زیادہ واقف ہے، پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ (حقیقت میں) ایمان والی ہیں تو پھر تم انھیں کافروں کے پاس واپس نہ بھیجو۔

یہ آیت گو مہاجر عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ؛ لیکن اس سے یہ عمومی اُصول سمجھ میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے دارالاسلام آئے اور اس کا مسلمان ہونا مشکوک نہ ہو تو اسے دارالاسلام میں باضابطہ سکونت اختیار کرنے کی اجازت ہوگی اور وہ دارالاسلام کا مستقل شہری شمار ہوگا۔

مملکت مدینہ کے قیام کے فوراً بعد معلوم انسانی تاریخ کا جو سب سے پہلا تحریری دستور ترتیب دیا گیا اس کی پہلی دفعہ میں ہی اسلامی شہریت کے اس اُصول کا ذکر موجود ہے ؛ اس دستور کی دفعہ:١،٢ یوں ہے :

هذا كتاب من محمد النبى (ﷺ) بين المؤمنين و المسلمين من قريش و (أهل) يثرب ، و من تبعهم فلحق بهم و جاهد معهم أنهم أمة واحدة من دون الناس .

(الوثائق السياسية ،ڈاکٹر حمید اللہ :٥٩)

یہ ایک حکم نامہ ہے نبی اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کا قریش اور اہل یثرب میں سے ایمان اور اسلام لانے والوں اور ان لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں، تمام (دنیا کے) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علاحدہ سیاسی وحدت (اُمت) ہوگی۔ (رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی اور جانشینی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ :٦٠، میثاق مدینہ کا آئینی تجزیہ: ڈاکٹر طاہر القادری:١١٥)

دستور کی مذکورہ بالا عبارت کی رو سے اس دستورِ مدینہ کی دفعات کا اطلاق مدینہ کے ان خوش نصیب مہاجرین وانصار پر تو ہوگا ہی جو دستور ترتیب دیئے جانے کے وقت مملکت مدینہ کے شہری تھے، مگر ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں پر بھی ہوگا جو ان مہاجرین وانصار کی پیروی کریں، پھر ان کے ساتھ آملیں ؛ لہٰذا ہر وہ مسلمان جو ان مہاجرین وانصار کی پیروی کرے، پھر ان کے ساتھ آملے وہ سیاسی وحدت کا ایک فرد یعنی مملکت مدینہ کا ایک شہری شمار ہوگا ، یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ محققین کے نزدیک دستورِ مدینہ کی ابتدائی ٢٣

دفعات کا تعلق صرف مہاجرین و انصار سے ہے؛ کیوں کہ یہ دفعات جس وقت ترتیب دی گئیں اس وقت مملکتِ مدینہ کی شہریت صرف مہاجرین و انصار کو حاصل تھی، بعد میں دیگر غیر مسلم یہودی قبائل کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کو اسلامی مملکت کا شہری بنایا گیا، (دیکھئے: رسول ا ﷺ کی حکمرانی اور جانشینی، ڈاکٹر محمد حمید ا :۵۱، محاضراتِ سیرت، ڈاکٹر محمود غازی: ۳۳۸) اس لیے دفعہ ایک کے ان الفاظ: ''**ومن تبعھم فلحق بھم**'' کا تعلق قبائل انصار کے مشرک افراد سے نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ وہ قبائل کے نقباء (نمائندگان) کے ایمان قبول کرنے کی وجہ سے تبعاً مدینہ کے شہری تھے اور نہ ہی ان الفاظ کا تعلق یہودیوں سے ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ دفعہ: ۱۶ میں ان کے لیے اس بات کا مستقل تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو مسلمانانِ مدینہ کے دین کو اپنائیں اور ہجرت کر کے ان سے جاملیں کہ اس طرح وہ مملکت مدینہ کے شہری بن جائیں گے۔

فقہاء اسلام نے بھی اسلامی شہریت کے اس بنیادی اُصول کی تائید کی ہے؛ علامہ کاسانی کا بیان ہے :

> **وعلى هذا يخرج الحربي إذا أسلم في دار الحرب ، ولم يهاجر إلينا فقتله مسلم أنه لا قصاص عليه عندنا ، لأنه وإن كان مسلماً فهو من دار الحرب ، قال الله تبارك و تعالىٰ : '' فإن كان من قوم عدولكم وهو مومن ''** . (بدائع، کتاب الجنایات: وجوب القصاص وشرائطہ: ۶/۲۷۸)
>
> اسی پر یہ مسئلہ بھی ع ہوتا ہے کہ حربی جب دارالحرب میں اسلام قبول کرے اور ہمارے پاس (دارالاسلام) ہجرت کر کے نہ آئے، پھر اس کو کوئی مسلمان قتل کردے تو ہمارے نزدیک اس پر کوئی قصاص نہیں ہے؛ کیوں کہ اگرچہ وہ مسلمان ہے؛ لیکن وہ دارالحرب کا باشندہ ہے، ا تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اگر وہ تمہاری دشمن قوم کا فرد ہو اور وہ مومن ہو''۔
>
> **وكذا لا نفقة بين المسلم المتوطن في دار الإسلام وبين الحربي الذمي أسلم في دار الحرب ولم يهاجر إلينا لإختلاف الدارين** . (بدائع ، كتاب النفقة ، باب شرائطها: ۸/۲۱۵)
>
> اس طرح دارالاسلام کے باشندے اور دارالحرب میں اسلام قبول کر کے ہجرت نہ کرنے والے کے درمیان کوئی نفقہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ دونوں کے دار مختلف ہیں۔

دارالاسلام کی شہریت کا تعدد

اسلامی تعلیمات پر نگاہ رکھنے والا شخص اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام نے شہریت کے بنیادی اُصول کو تسلیم کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ دارالاسلام، دارالحرب اور دارالعہد کے احکام متفرق و مختلف ہیں؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے **پورے دارالاسلام کی صرف ایک شہریت ہے**، اسلامی شہریت کے تعدد سے فقہ اسلامی کا لٹریچر بھی ناآشنا ہے اور انیسویں صدی تک کی تاریخ اسلامی بھی ناواقف ہے، انیسویں صدی تک مسلمانوں کو پوری اجازت تھی کہ وہ بغیر کسی امان اور ویزا کے دارالاسلام کے جس علاقے میں جانا چاہیں جائیں اور بغیر کسی عقد شہریت کے دارالاسلام کے جس حصے کو اپنا وطن و مسکن بنانا چاہیں بنائیں؛ کیوں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے وہ کسی خاص علاقے کے نہیں؛ بلکہ پورے دارالاسلام کے شہری سمجھے جاتے تھے؛ لیکن ادھر گذشتہ صدی میں جب استعمار زدہ و مغربی تہذیب گزیدہ سیکولر طبقہ تختِ اقتدار پر متمکن ہوا تو وضعی قوانین سے متاثر ہوکر شہریت کے مروجہ اُصول کی آنکھ بند کر کے بہ رضا و رغبت تقلید کی اور اپنی مملکتوں میں اسے نافذ کیا۔ کسی دیوار میں خمیدگی پیدا ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کی خشت اول میں ٹیڑھا پن پیدا کردیا جائے؛ لیکن یہاں خشت ہائے خمیدہ کے تسلسل سے دیوارِ کج چنیدہ ہے: پہلے تو دارالاسلام کے حصے بخرے کیے گئے، شیزارۂ وحدت کے تار و پود ناعاقبت اندیشی کی تند و تیز آندھیوں میں اُڑا دیئے گئے اور ہر حصے کو مستقل وجود کی حیثیت دے کر مرکزیت کی جڑ کاٹ دی گئی، پھر دارالاسلام کے

ہر عضو منتشر کے رگ و ریشہ میں قومیت و وطنیت کا زہر ہلاہل پیوست کر دیا گیا اور پھر ''کریلا اور نیم چڑھا'' کے مصداق مغرب سے برآمد کردہ نظام شہریت کی عمارت اس خلافِ شرع قومیت کی کمزور بنیادوں پر استوار کی گئی۔ مغرب سے برآمد کردہ شہریت کے اُصول اسلامی نقطۂ نظر سے کئی نقصانات کے حامل ہیں، اختصار کے پیشِ نظر یہاں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قومیت و علاقہ واریت

مروجہ نظام شہریت کی سب سے اہم بنیاد قومیت و وطنیت ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو انگریزی میں عام طور پر "Citizenship" کے بجائے "Nationality" کہا جاتا ہے، جس کے معنی اُردو اور عربی میں ''قومیت'' کے آتے ہیں۔ اسلام وطن و قوم سے کا مخالف نہیں ہے اور مخالف ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور وطن و قوم کی انسان کی فطرت میں داخل ہے؛ بلکہ اسلام حبِ وطن کے جذبات کا بھرپور احترام کرتا ہے، خود مذہب اسلام کے پیغمبر آخرالزماں کے دل میں حبِ وطن کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے؛ چنانچہ جب آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا تو وطن کی میں ڈوبے ہوئے یہ الفاظ زبانِ نبوت سے جاری ہوئے کہ اگر تیری قوم مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتی تو میں تجھے چھوڑ کر نہ جاتا اور پھر جب آپ ﷺ نے مدینہ کو اپنا وطن بنالیا تو یہ دُعا فرمائی کہ اے ا جس طرح مکہ سے ہمیں ہے، مدینہ کو بھی اسی طرح ہمارا محبوب بنادے۔ (بخاری، قبیل کتاب الصوم: ۱۸۸۹)

اس طرح غیر مسلموں کو اپنا وطنی بھائی اور غیر مسلم قوم کو اپنی مدعو قوم کے سلسلہ میں قرآن میں واضح ہدایات موجود ہیں؛ چنانچہ انبیاء کی دعوتی مہم کے سلسلہ میں جو اُسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے اس میں انبیاء کو غیر مسلموں کا بھائی اور غیر مسلموں کو انبیاء کی قوم قرار دیا گیا ہے (مثلاً دیکھئے: ہود: ۵۰، ۶۰، ۸۴) لہٰذا وطن و قوم سے کرنا نہ صرف یہ کہ شرعاً جائز ہے؛ بلکہ امر مطلوب ہے؛ لیکن وطن کا درجہ محبوب سے بڑھا کر معبود تک پہنچانا، علاقہ واریت کو فروغ دینا، سرحدی لکیروں کی بنیاد پر مسلمانوں کو شہری اور اجنبی کے خانوں میں باٹنا، رنگ و نسل کو مذہب پر مقدم کرنا، جغرافیائی تقسیم کی بنیاد پر شہریوں کو حقوق دینا سراسر غیر اسلامی ہے اور جاہلی تعصب کی نئی شکل ہے، علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے :

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ حقیقت ہے کہ مسلم مملکتوں میں مروجہ نظام شہریت کے نفاذ کی وجہ سے علاقہ واریت و وطنی عصبیت کی جڑیں مستحکم سے مستحکم تر ہوتی جارہی ہیں؛ لیکن مسلم حکمرانوں کو اب تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ :

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

اسلامی قیادت کی عدم مرکزیت

آپ ﷺ کے ارشاد ''**فوا ببیعة الأول فالأول**'' (مسلم، کتاب الإمارة : باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة :۱۸۴۲) اور ''**إذا بويع للخليفتين فاقتلوا الأخر منهما**'' (مسلم، کتاب الإمارة : إذا بويع للخليفتين:۱۸۵۳) کی رو سے صرف اور صرف ایک مسلم اسٹیٹ ہونی چاہئے؛ چنانچہ شارحِ حدیث علامہ نوویؒ کا بیان ہے :

واتفق العلماء على أنه لا يجوز أن يعقد لخليفتين في عصر واحد سواء اتسعت دار الإسلام أم لا . (شرح مسلم ، كتاب الإمارة ، وجوب الوفاء ببيعة الخلفاء:۱۸۵۳)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک وقت میں دو خلیفہ کا وجود نا جائز ہے، خواہ دار الاسلام کا دائرہ وسیع ہو یا نہ ہو۔

بعض علماء نے بعض خاص صورتوں میں تعدد خلافت کی بات کہی ہے، امام نوویؒ ان کے اس نظریہ کے رد میں فرماتے ہیں :

وهو قول فاسد مخالف لما عليه السلف والخلف ولظواهر إطلاق الحديث . (حوالۂ سابق)

یہ ایک فاسد قول ہے جو سلف وخلف کے اجماع کے بھی خلاف ہے اور حدیث کے ظاہری اطلاق کے بھی مغائر ہے۔

آپ ﷺ کی رحلت کے بعد کے ابتدائی ادوار میں خلافت کی یہ وحدت پوری شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی؛ لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ وحدت اپنا وجود کھونے لگی اور مسلمانوں کی قیادت مختلف ٹکڑیوں میں بٹنے لگی، مگر ان مختلف مملکتوں کے وجود میں آجانے کے باوجود بھی اسلامی قیادت کی مرکزیت برقرار رہی یہ مرکزیت کمزور سے کمزور تر تو ہوئی؛ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹادی گئی ہو، آخری ادوار میں یہ مرکزیت خلافتِ عثمانیہ کے حصے میں آئی اور بیسویں صدی کے ربع اول تک کسی نہ کسی صورت اپنے وجود کا احساس دلاتی رہی؛ لیکن وائے افسوس اور ہائے حسرت اپنوں کی عاقبت نااندیشیوں پر اور غیروں کی ریشہ دوانیوں پر کہ ۱۹۲۴ء میں جب ''چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا'' تو ''چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا'' اور مسلمانوں کی مرکزیت عنقا ہوئی، لیلائے خلافت نے مملکتِ عدم کی شہریت اختیار کی اور مجنونانِ خلافت مغربی سیاست کی زلف گرہ گیر کے ایسے اسیر ہوئے کہ اب تک کوچۂ چاکِ گریباں میں آکر لیلیٰ کے لئے محمل نہ سجا سکے :

خبرِ تحیرِ عشق سن ! نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا ، جو رہی سو بے خبری رہی

اس بات سے انکار حالات نا آگہی ہے کہ مروجہ نظام شہریت کی وجہ سے قومیت پروان چڑھ رہی ہے اور اسلامی قیادت کی مرکزیت موہوم سے موہوم تر ہوتی جارہی ہے۔

مسلمانوں کے لئے حصولِ شہریت کا لزوم

مسلم ملکوں میں پہلے صرف غیر مسلموں کے لیے عقدِ شہریت کرنا ضروری تھا؛ لیکن مروجہ شہریت کے نفاذ سے ایک نقصان یہ ہوا کہ اہل ذمہ کی طرح مسلمانوں کے لئے بھی شہریت کا حصول لازم قرار دے دیا گیا، مروجہ اُصولِ شہریت چوں کہ ملکوں کی جغرافیائی حد بندیوں پر مبنی ہے اور مسلم مملکتوں نے بھی اسی اُصول کو اپنایا ہے، اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ایک مسلم ملک کے باشندے کو دوسرے ملک میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے لئے شہریت کا حصول قانوناً ضروری کردیا گیا۔

مروجہ نظامِ شہریت کی شرعی حیثیت

یہ بحث پیچھے گذر چکی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں شہریت کے بنیادی تصور (یعنی کسی مملکت کا مستقل باشندہ بننا اور مملکتوں کے اختلاف سے حقوق وفرائض کا مختلف ہونا) کو تسلیم کیا گیا ہے؛ لیکن چوں کہ مروجہ نظام شہریت کی رو سے دار الاسلام کی شہریت کا تعدد لازم آتا ہے، ہر مسلم مملکت کی علاحدہ شہریت ہے اور شہریت کا یہ تعدد حقوق وفرائض کے سلسلہ میں مسلمانوں کو اجنبی اور شہری کے خانوں میں تقسیم کرتا ہے اس لئے یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک جدید مسئلہ ہے، اس مسئلہ پر بحث کرنے سے پہلے شہریت کے سلسلہ میں چند باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے؛ تاکہ دائرۂ بحث کی تحدید ہوجائے :

○ شہریت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب کی الگ الگ شہریتیں تسلیم کی جائیں اور دارالحرب کی مختلف مملکتوں کی شہریتوں کو مستقل الگ شہریت کا درجہ دیا جائے، فقہ اسلامی میں اس کی صراحت موجود ہے؛ لہٰذا یہ دائرۂ بحث سے خارج ہے۔

○ شہریت سے اگر مراد کسی مملکت (دار) کا مستقل باشندہ بننا ہو تو اس کا بھی واضح تصور فقہ اسلامی میں موجود ہے، اس لیے اس پر بحث کرنا بے سود ہے۔

○ شریعت میں چوں کہ بہ غرضِ تعارف علاقہ وقبائل کی طرف نسبت کرنا جائز ہے؛ اس لیے شہریت کا یہ پہلو کہ علاقے کی طرف نسبت کر کے مصری شہری یا فلسطینی شہری کہا جائے، کسی بحث کا محتاج نہیں ہے۔

○ مسلمانوں کے سلسلہ میں اصل تو یہی ہے کہ مسلمان دارالاسلام کے جس حصے کو چاہیں اپنا مسکن بنائیں؛ لیکن موجودہ دور کے پیچیدہ نظامِ حکومت میں اس اصل پر مطلقاً عمل کرنے میں کاروبارِ سلطنت حرج اور ضرر سے دوچار ہوسکتا ہے، اس لیے ''**الحرج مدفوع**'' اور ''**الضرر یزال**'' جیسے فقہی قواعد کی رو سے نو واردین اور مہاجرین کو رجسٹریشن کا پابند بنایا جاسکتا ہے؛ لیکن اس سلسلہ میں اصل یہی ہے کہ ان کی درخواست قبول کرلی جائے؛ البتہ کسی شرعی مانع اور معقول عذر کی وجہ سے ان کی درخواست رد کی جاسکتی ہے۔

○ وہ مباح اُمور جن کے جواز اور عدمِ جواز کے سلسلہ میں شریعت خاموش ہو اور ان کے جائز ہونے کی صراحت شرع میں وارد نہ ہوئی ہو، ایسے مباح اُمور کے بارے میں مسلم مملکتوں کے حکمراں باہمی رضامندی سے ''**الأصل فی الأشیاء الاباحة**'' اور ''**المسلمون علیٰ شروطهم**'' کی رو سے شہریت سے متعلق قانون سازی کرسکتے ہیں۔

○ مذکورہ بالا باتیں اس قدر واضح ہیں کہ ان پر بحث کرنا تحصیل حاصل ہے؛ لیکن قومیت کو قوانین شہریت کا مدار بنانا، دارالاسلام کو کسی مرکز کے تابع کرنے کے بجائے ہر مملکت کو مستقل مملکت کی حیثیت دینا، مسلمانوں کے حقوق وفرائض کا جغرافیائی سرحدوں تک سمٹ آنا، علاقہ وملک کی بنیاد پر مسلمانوں کے حقوق وفرائض تقسیم کرنا، ان کو ملکی وغیر ملکی شہری واجنبی اور مستقل باشندہ وپناہ گزین کے خانوں میں باٹنا، حصولِ شہریت کے طریقہ کار اور فسخ شہریت کے اسباب کے سلسلہ میں وضعی قوانین نافذ کرنا — مروجہ نظامِ شہریت سے متعلق یہ وہ اُمور ہیں جو بحث وتحقیق کے متقاضی ہیں اور ان ہی اُمور کی وجہ سے شہریت کا مروجہ نظام ایک جدید مسئلہ بن گیا ہے، اس مسئلہ کی تکییف شرعی کی بابت دونوں طرح کے نقاطِ نظر ہیں، ایک جواز کا نقطۂ نظر اور دوسرا عدمِ جواز کا، ان دونوں نقاطِ نظر کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

جواز کے دلائل:

(ا) ولاء الموالاۃ: اس ولاء کی تعریف موسوعہ فقہیہ میں یوں مذکور ہے:

هو أن یعاهد شخص شخصاً آخر علی أنه إن جنی فعلیه أرشه وإن مات فمیراثه له. (ولاء: ۴۵/۱۲۸)

وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس بات کا معاہدہ کرے کہ اگر وہ جنایت کرے گا تو وہ دوسرا شخص اس کا تاوان ادا کرے گا اور اگر وہ مرجائے گا تو وہ دوسرا شخص اس کی میراث پائے گا۔

حنفیہ نے اس کی توضیح یوں کی ہے:

تفسیر ولاء الموالاۃ أن یسلم الرجل علی یدی رجل فیقول للذی أسلم علی یدیه أو لغیره والیتک علی أنی إن مت فمیراثی لک وإن جنیت فعقلی علیک وعلی عاقلتک، وقبل الأخر منه، فهذا هو نفس ولاء الموالاۃ. (المحیط البرہانی: ۴/۱۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ولاء الموالاۃ کی توضیح یہ ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ پر ایمان لائے، پھر جس کے ہاتھ پر ایمان لایا ہے اس سے یا کسی اور سے کہے کہ میں آپ سے عقد موالاۃ کرتا ہوں، اس بات پر کہ اگر میں

مر جاؤں تو میری میراث آپ کو ملے گی اور اگر میں کوئی جنایت کروں تو میرا تاوان آپ یا آپ کے عاقلہ کے سر ہوگا اور دوسرا شخص اس موالات کو قبول کرلے تو اسی کا نام ولاء الموالاۃ ہے۔

ولاء الموالاۃ کی مذکورہ بالا تعریف وتوضیح سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ اس کے ذریعہ موالات کرنے والے (المولی الاسفل) اور جس کے ساتھ موالات کی گئی (المولی الاعلیٰ) دونوں کو کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں اور دونوں پر فرائض عائد ہوتے ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی دوسرے نسب اور خاندان کے فرد سے ولاء الموالاۃ کرے تو مولیٰ اعلیٰ کو مولی اسفل کی میراث حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے اور مولی اسفل کی جنایت کا تاوان ادا کرنے کا فریضہ مولی اعلیٰ پر عائد ہوتا ہے، اور مولی اسفل کا فریضہ بنتا ہے کہ مولی اعلیٰ کو اپنی میراث کا وارث کا بنائے، جس طرح اس ولاء کے ذریعہ کسی دوسرے نسب اور خاندان کے فرد سے حقوق وفرائض متعلق ہوتے ہیں، جو ولاء الموالاۃ نہ کرنے والے سے متعلق نہیں ہوتے اسی طرح مملکت بھی ایک بڑا قومی خاندان ہے اور اگر کوئی شخص شہریت حاصل کرے تو اس سے وہ حقوق وفرائض متعلق ہوتے ہیں جو شہریت حاصل نہ کرنے والوں سے متعلق نہیں ہوتے؛ لہٰذا جب ولاء الموالاۃ شرعاً جائز ہے تو عقدِ شہریت بھی شرعاً جائز ہوگا۔

(۲) عن أبي الدرداء قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ما أحل الله في كتابه فهو حلال وما حرم فهو حرام و ماسكت منه فهو عفو ، فاقبلوا من الله عافيته ، فإن الله لم يكن لينسى شيئاً ، ثم تلا : " وما كان ربك نسياً " رواه البزار والطبراني في الكبير وإسناده حسن ورجاله موثقون . (مجمع الزوائد: کتاب العلم، فی اتباع الکتاب والسنۃ ومعرفۃ الحلال والحرام: ۱/۲۱۶،۴۹۴،۷)

حضرت ابودرداء سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے اپنی کتاب میں جو چیز حلال کی ہے وہ حلال ہے اور جو حرام کی ہے وہ حرام ہے اور جس سے خاموش رہا وہ معاف ہے تو تم اللہ کی عافیت قبول کرو؛ کیوں کہ اللہ کوئی چیز بھولتا نہیں، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے، اس کو بزار نے اور معجم کبیر میں طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کی سند حسن درجہ کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث میں یہ واضح حکم ہے کہ جن چیزوں کی حلت وحرمت مذکور نہ ہو؛ بلکہ وہ مباح درجہ کی ہوں تو وہ جواز کے دائرے میں رہیں گی، موجودہ نظام شہریت کا تعلق بھی اسی قبیل سے ہے، اس لئے اسے اختیار کرنا شرعاً جائز ہوگا۔

(۳) فقہ کا مشہور قاعدہ ہے "**الأصل في الأشياء الإباحة**" اس قاعدہ کی رو سے فقہاء نے بے شمار مسائل کو مباح ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، موجودہ نظام شہریت بھی اسی اصل کی رو سے مباح ہے؛ لہٰذا حاکموں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسے قانون کی شکل میں نافذ کرسکیں، اس کی نظیر تدوین دواوین کا نظام ہے، جو "**الأصل في الأشياء الإباحة**" کے تحت مباح تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو باضابطہ مملکت کے ایک نظام کی شکل دی۔

(۴) موجودہ نظامِ شہریت کا تعلق ایک طرح سے بین الاقوامی قانون ومعاہدے سے ہے اور معاہدے کی پابندی شرعاً ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ . (المائدۃ:۱)

اے ایمان والو! اپنے عقد ومعاہدے پورے کرو۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

الصلح جائز بين المسلمين الا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً ، والمسلمون على

شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً — قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح . (كتاب الأحكام ، فی الصلح بين الناس:۱۳۵۲)

مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے؛ البتہ وہ صلح جس میں حرام کو حلال یا حلال کو حرام کیا گیا ہو، مسلمانوں کو اپنی شرطیں پوری کرنی چاہئیں ؛ البتہ وہ شرطیں جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرتی ہوں (ناجائز ہیں)۔

لہٰذا بین الاقوامی معاہدے کی وجہ سے مسلم مملکتوں میں مروجہ شہریت کے نظام کو اپنانا اسلامی مزاج کے عین مطابق ہے۔

(۵) بالفرض اگر موجودہ نظامِ شہریت کو اصلاً ناجائز مان بھی لیا جائے تو بھی شہریت کا حصول ایک مجبوری بن گئی ہے؛ کیوں کہ اس کے بغیر کوئی بھی شخص کسی دوسری مملکت کا باشندہ نہیں بن سکتا، اس لئے ''**الضرورات تبيح المحظورات**'' قاعدے کے تحت شہریت کا یہ نظام جواز کے دائرے میں آجائے گا۔

عدم جواز کے دلائل :

(۱) آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله ، وأن يستقبلوا قبلتنا ويأكلوا ذبيحتنا وأن يصلوا صلاتنا ، فإذا فعلوا ذلک حرمت علينا دماؤهم وأموالهم إلا بحقها ، لهم ما للسلمين وعليهم ما على المسلمين ...... قال أبو عيسىٰ : هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه .

(ترمذی ، کتاب الإيمان ، ماجاء فی قول النبی أمرت بقتالهم:۲۶۰۸)

مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے رزم آرائی کروں ؛ تا آں کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ ا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (ﷺ) ا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ وہ ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کریں ، ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں ، جب لوگ ایسا کرلیں تو ہم پر ان کے جان ومال سے ناحق تعرض کرنا حرام ہوجائے گا ، ان کو وہ حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اوران پر وہ فرائض عائد ہوں گے جو مسلمانوں پر عائد ہیں۔

اس حدیث میں مسلمانوں کو حقوق حاصل ہونے اوران پر فرائض عائد ہونے کی بنیاد اسلام کو بنایا گیا ہے اور جنس و وطن اور علاقہ وملک سے قطع نظر تمام مسلمانوں کو حقوق وفرائض کے سلسلہ میں یکساں درجہ دیا گیا ہے۔

وہ قبائل جو مملکت مدینہ کی حدود میں داخل نہیں تھے؛ بلکہ بعد میں مملکت مدینہ کے ساتھ الحاق کرلیا تھا ان کو بھی آپ ﷺ نے یہی بتایا کہ ان میں سے جو لوگ ایمان قبول کرلیں ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور ان پر وہی فرائض عائد ہوں گے جو ہم پر عائد ہیں؛ مثلاً آپ ﷺ نے شاہانِ حمیر کے قاصد کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا کہ :

انه من أسلم من يهودی أو نصرانی فإنه من المؤمنين ، له مالهم وعليه ماعليهم .

(سیرت ابن ہشام، قدوم رسول ملوک حمیر بکتابھم:۲/۵۸۸)

جو کوئی یہودی یا نصرانی اسلام قبول کرلے تو وہ مومنین میں سے ہے، اسے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ان (مسلمانوں) کو حاصل ہیں اور اس پر وہی فرائض عائد ہوں گے جو ان (مسلمانوں) پر عائد ہیں۔

اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا :

مـن أسـلـم مـن يهـودى أو نصرانى إسلاماً خالصاً من نفسه و دان بدين الإسلام ، فإنه من المؤمنين ، له مثل مالهم وعليه مثل ما عليهم . (سیرت ابن ہشام: کتاب الرسول لابن خالد: ۵۹۴/۲)

جو کوئی یہودی یا نصرانی خالص اسلام قبول کرلے اور دین اسلام کا پیرو بن جائے تو مومنین میں سے ہے، اسے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ان مومنین کو حاصل ہیں اور اس پر وہی فرائض عائد ہوں گے جو ان پر عائد ہیں۔

اسی طرح قبیلۂ غفار کے نام آپ ﷺ نے یہ نامہ مبارک رقم فرمایا :

...... **أنهم من المسلمين ، لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين .** (طبقات ابن سعد، ذکر بعثت الرسول)

قبیلۂ بنوغفار کے لوگ مسلمانوں میں سے ہیں، انھیں وہی حقوق حاصل ہیں، جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور ان پر وہی فرائض عائد ہیں جو مسلمانوں پر عائد ہیں۔

یہی بات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مملکتِ فارس کے معرکہ آراؤں سے کہی تھی :

فإن أسلمتم فلكم مثل الذى لنا وعليكم مثل الذى علينا .

(ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الدعوۃ قبل القتال: ۱۵۴۸، وحدیث سلمان حدیث حسن)

اگر تم اسلام قبول کرلو تو تمہیں بھی اسی طرح کے حقوق حاصل ہوں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور تم پر بھی اسی طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو ہم پر عائد ہیں، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس بات کی مزید وضاحت کرتی ہے کہ اگر مملکت فارس کی فارسی قوم بھی حلقہ بہ گوش اسلام ہوجائے تو اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو عرب کی قوم کو حاصل ہیں اور اس پر بھی وہی فرائض عائد ہوں گے جو عربوں پر عائد ہیں؛ کیوں کہ حقوق وفرائض کی بنیاد اسلام ہے؛ نہ کہ نسل وملک، مگر موجودہ نظامِ شہریت میں حقوق وفرائض کی بنیاد ملک ومملکت ہے نہ کہ اسلام، یہی وجہ ہے کہ ایک مسلم مملکت کے باشندے کو دوسری مسلم مملکت میں اجنبیوں کے درجہ میں رکھا جاتا ہے، اسی لئے موجودہ نظامِ شہریت اپنے وضعی اُصولوں کے ساتھ شرعاً ناقابل قبول ہے۔

یوں تو مروجہ نظام شہریت کی رو سے کئی حقوق وفرائض ایسے ہیں جو مسلمانوں کے درمیان اجنبی اور شہری کی تفریق کرتے ہیں، یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے :

(الف) مملکت کی مدافعت کا فریضہ : مروجہ نظام شہریت کے مطابق اجنبیوں پر مملکت کی دفاع کا فریضہ عائد نہیں ہوتا، جب کہ اسلامی شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ اگر کسی علاقہ میں دشمن ہلہ بول دیں اور اس علاقے کے مسلمان اپنا دفاع نہ کرسکیں یا سہل انگاری کی وجہ سے جہاد میں حصہ نہ لیں تو آس پاس کی مملکت کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہوجائے گا، ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے قومیت ووطنیت کی بحث کے ذیل میں اس بات کو شامی کے حوالے سے اپنے خاص اُسلوب میں یوں بیان کیا ہے :

وفى الفقه الإسلامى نجد هذه الصورة المعبرة عن وحدة الأمة الإسلامية ووحدة الوطن الإسلامى ، وذلك فيما ينقله العلامة ابن عابدين عن أئمة الفقه الحنفى حيث يقررون : أن الجهاد فرض عين إن هـجم العدو على بلد مسلم ، وذلك على من يقرب من العدو أولاً ، فـإن عـجـزوا أو تـكـاسلوا فعلى من يليهم حتى يفترض ـــ عـلى هذا التدرج ـــ على كل المسلمين شرقاً و غرباً وهذا متفق عليه بين الأئمة جميعاً .

(حلول مستوردۃ: ۵۲، نیز دیکھئے: شامی: ۲۰۵/۶)

اُمتِ اسلامیہ اور وطن اسلامی کی وحدت کا اظہار کرنے والی یہ صورت ہمیں فقہ اسلامی میں بھی نظر آتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین فقہ حنفی کے ائمہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر دشمن کسی مسلم علاقہ پر حملہ کردے تو جہاد فرض عین ہوجاتا ہے اور یہ فرضیت اولاً ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو دشمن سے قریب ہوں، اگر یہ لوگ مقابلہ نہ کرسکیں یا سہل انگاری سے کام لیں تو ان سے متصل علاقوں کے مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ بتدریج شرق وغرب کے تمام مسلمانوں پر فرض ہوجاتا ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے جس پر تمام ہی ائمہ کا اتفاق ہے۔

(ب) قیدیوں کو رہا کرانے کا فریضہ : مروجہ نظام شہریت کی رو سے ان ہی بے قصور قیدیوں کو چھڑانا مملکت کی ذمہ داری ہے جو مملکت کے شہری ہوں، جب کہ اسلامی نقطۂ نظر سے بے قصور مسلم جہاں کہیں بھی قید ہو ہر مسلم اسٹیٹ کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو رہا کرانے کی کوشش کرے؛ کیوں کہ آپ ﷺ کا خطاب ''**فكوا العاني** '' (بخاری، کتاب الجہاد، فکاک الأسیر: ۳۰۴۶) تمام مسلمانوں کی طرف متوجہ ہے، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے؛ چنانچہ شامی میں ہے :

مسلمة سبيت بالمشرق وجب على أهل المغرب تخليصها من الأسر . (کتاب الجہاد: ۶/۲۰۵)

قرطبی نے امام مالکؒ سے بھی اسی طرح کا قول نقل کیا ہے۔ (دیکھئے: تفسیر قرطبی: ۲/۱۶۲، آیت: لیس البر)

(ج) متحارب گروہوں کے درمیان صلح وصفائی اور باغیوں کی سرکوبی : مسلمانوں کے دو گروہ اگر باہم معرکہ آرا ہوں تو ان کے درمیان صلح صفائی کرانا اور اگر کوئی (شرعی مفہوم میں) بغاوت پر آمادہ ہو تو اس کی سرکوبی کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، خواہ وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی ہوں؛ کیوں کہ قرآن حکیم کا یہ حکم مطلق ہے :

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللهِ .... (الحجرات: ۹)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں برسر پیکار ہوں تو ان کے درمیان صلح کراؤ اور اگر ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ ا کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

(د) مظلوموں کی طرف سے دفاعی جنگ کرنا : مروجہ نظام شہریت کی وجہ سے مملکت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے شہریوں پر ظلم وستم نہ ہونے دے؛ اسی طرح وہ اجنبی جو ویزا لے کر مملکت میں داخل ہوں ان کو جان ومال کا تحفظ فراہم کرے؛ لیکن دوسرے ملکوں میں ہونے والے مظلوموں کی طرف سے دفاعی جنگ کرنا اس کی ذمہ داری نہیں، تاہم اگر وہ اقوام متحدہ کی اجازت سے ایسا کرے تو یہ اس کی بلند اخلاقی رہوگی؛ لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمان جس مملکت میں بھی ظلم وستم کا شکار ہوں پورے دار الاسلام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ان کی مدد کرے؛ چنانچہ ا تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا . (النساء: ۷۵)

تمہیں کیا عذر ہے کہ تم جنگ نہیں کرتے ا کی راہ میں اور ان لوگوں کے لئے جو کمزور ہیں مردوں میں سے اور عورتوں اور لڑکوں میں سے، جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی کے باہر نکال جس کے باشندے سخت ظالم ہیں۔

یہ آیت مکہ میں مقیم مظلوم مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اس وقت دار الحرب تھا، (دیکھئے: ابن کثیر، النساء: ۲۵) یعنی

دارالحرب میں بھی اگر مسلمان ظلم وستم کی وجہ سے جنگی امداد کے محتاج ہوں تو دارالاسلام کے مسلمانوں اور خاص کر حکمرانوں کا یہ شرعی فریضہ ہے کہ وہ ظالموں کے خلاف جنگی محاذ کھول دیں؛ چہ جائے کہ فلسطین اور شام کے مسلمانوں کا مقتل سجایا جائے اور عالم اسلام کے حکمراں خاموش تماشائی بنے رہیں اور کہنے والا یہاں تک کہہ دے کہ میں مصر کا سربراہ ہوں فلسطین کا نہیں !!

(ھ) سیاسی حقوق : مروجہ نظام شہریت کا ایک بہت اہم اُصول یہ ہے کہ صرف شہریوں کو ہی سیاسی حقوق (سیاسی ولایت) عطا کیے جائیں، یعنی سیاسی حقوق سے ا دہ کرنے کی بنیاد شہری ہونا ہے؛ جب کہ اسلام کی تعلیمات اس سلسلہ میں ملکی اور غیر ملکی کی کوئی تفریق نہیں کرتیں؛ بلکہ کسی بھی مسلمان کو دارالاسلام کے کسی بھی حصے کی ولایت سپرد کی جاسکتی ہے، چاہے وہ وہاں کا باشندہ ہو یا نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے خلافت وولایت کی اہلیت کے لئے جو اوصاف شمار کئے ہیں ان میں کہیں بھی علاقہ ووطن کی شرط کا تذکرہ نہیں ملتا؛ کیوں کہ یہ اسلام کا تصور ہی نہیں ہے کہ سیاسی حقوق سے ا دہ کے لئے ملک ووطن کو بنیاد بنایا جائے۔

(۲) حصولِ شہریت کے جو طریقے ابتداء بحث میں ذکر کئے گئے ہیں، فقہاء نے ذمیوں کو اسلامی شہریت دینے کے لئے تو فی الجملہ ان کا تذکرہ کیا ہے؛ لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ مسلمانوں کو دارالاسلام کی شہریت حاصل کرنے کے لئے کسی نئے عقد کی ضرورت ہو، فقہ اسلامی کا ذخیرہ بھی اس طرح کے عقد شہریت سے نا آشنا ہے اور تاریخ اسلامی بھی اس کی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے؛ لیکن موجودہ دور میں مسلمان شہریت حاصل کیے بغیر نہ کسی مسلم مملکت کو اپنا وطن بنا سکتا ہے اور نہ وہاں کے حقوق سے ا دہ کرسکتا ہے۔

(۳) مروجہ قوانین میں شہریت سے محرومی کے جو اُصول ہیں وہ بھی اسلامی احکام سے میل نہیں کھاتے، شہریت سے محرومی کے جو اسباب پیچھے ذکر کیے گئے ہیں، ان میں سے کوئی سبب بھی ایسا نہیں ہے، جس کی وجہ سے کوئی مسلمان دارالاسلام کی شہریت سے محروم ہوجائے؛ بلکہ فقہ حنفی کی رو سے تو ان اسباب کی وجہ سے کوئی غیر مسلم شہری بھی اسلامی شہریت سے محروم نہیں ہوگا؛ کیوں کہ غیر مسلم شہری کی شہریت صرف دو وجوہ سے ہی منسوخ ہوسکتی ہے: ایک یہ کہ وہ دارالحرب کی شہریت اختیار کرلے، دوسرے یہ کہ غیر مسلموں کا کوئی گروہ دارالاسلام کے کسی علاقہ کو اپنے قبضہ میں لے کر مسلم حکومت سے برسرپیکار ہوجائے۔ (دیکھئے: بدائع، کتاب السیر، فصل الامان المؤبد: ۶/۸۲)

(۴) قرآن کی یہ آیتیں: ''**أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا**'' (النساء: ۹۷) ''**يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّ أَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ**'' (العنکبوت: ۵۶) اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ مسلمان دارالاسلام کے جس حصے میں چاہیں اپنی زندگی گزاریں؛ لہٰذا ان کو ذمیوں کی طرح کسی نئے عقد کا پابند بنانا صحیح نہیں ہے اور قرآن کریم کی اس آیت میں: ''**إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ ...... أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ**'' (المائدۃ: ۳۳) کسی فرد کو کسی علاقہ میں رہنے نہ دینے اور وہاں سے جلاوطن کرنے کو بہ طور سزا کے ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان دارالاسلام کے کسی علاقے کو اپنا مسکن بنانا چاہے تو اس سلسلہ میں اصل یہی ہے کہ اس کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے؛ البتہ اگر کسی شرعی مانع اور معقول عذر کی وجہ سے اجازت نہ دی جائے تو یہ استثنائی صورت ہے۔ وا اعلم

(۵) آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :

المسلمون تتكافأ دماؤهم ، يسعى بذمتهم أدناهم ، ويجير عليهم أقصاهم وهم يد على من سواهم . (أبوداؤد ، الجهاد ، في السرية ، ترد على أهل العسكر: ۲۷۵۱)

تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے، ان کے ادنیٰ شخص کے بھی ذمہ کی پابندی سب پر ضروری ہے، ان میں کا دور دراز رہنے والا شخص بھی ان پر کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور تمام مسلمان اپنے علاوہ کے لئے ایک متحدہ طاقت ہیں، (شیخ البانی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی صراحت کی ہے، دیکھئے: صحیح وضعیف سنن أبی داؤد: ۲۷۵۱، ط: مرکز نور الاسلام لابحاث القرآن والسنۃ، اسکندریہ)۔

اس حدیث نبوی کا ایک ایک جملہ مسلمانوں کی وحدت اور حقوق وفرائض میں تمام مسلمانوں کی یکسانیت کا غماز ہے کہ تمام مسلمانوں کے خون کی قیمت برابر ہے، ان سب کا ذمہ ایک ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی کسی کو پناہ دے دے تو تمام پر اس کی پاسداری ضروری ہے، اور رنگ ونسل اور ملک وطن کے اختلاف کے بغیر تمام مسلمان ایک جماعت ہیں اور اپنے سوا کے خلاف ایک متحدہ طاقت ہیں، ان باتوں کو اگر مروجہ نظام شہریت میں تلاش کیا جائے تو ان کا دائرہ مملکت کی جغرافیائی سرحدوں تک محدود ہوتا نظر آئے گا۔

(۶) دستور نبوی کی دفعات: مدینہ میں اسلامک اسٹیٹ قائم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے جو دستور ترتیب دیا تھا، اس میں اسلامی شہریت کے اُصول بجا طور پر ہمیں ملتے ہیں، دستورِ مدینہ کا اگر بہ غور جائزہ لیا جائے تو ہمیں شہریوں کی دو قسمیں نظر آتی ہیں: ایک وہ جنھیں شہریت حاصل کرنے کے لئے معاہدے کی ضرورت پڑی تھی، یعنی غیر مسلم شہری اور دوسرے وہ جنھیں حصولِ شہریت کے لئے کسی معاہدے کی ضرورت نہیں پڑی، یعنی مسلم شہری، پھر مسلم شہری دو طرح کے تھے، ایک وہ جو مدینہ کے پیدائشی شہری تھے، یعنی انصار اور دوسرے وہ جو اکتسابی شہریت کے حامل تھے، یعنی مہاجرین۔ دستور کی دفعات میں موجود شہریت سے متعلق بعض باتیں قابل ذکر ہیں:

- دستور کی دفعہ ۳۶ (الف) کے تحت یہ حکم ہے کہ کوئی بھی شخص حضور کی اجازت کے بغیر فوجی کارروائی کے لئے مدینہ سے باہر نہ نکلے، اس دفعہ کے الفاظ ہیں:

وأنه لا يخرج منهم أحد إلا بإذن محمد . (الوثائق السياسية، ڈاکٹر حمید ا :۶۱)

اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی شخص محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جا سکتا۔

شارحین دستور نے اس خروج سے فوجی کارروائی کے لئے باہر نکلنا مراد لیا ہے، (دیکھئے: رسول ا ﷺ کی حکمرانی و جانشینی:۶۴، سیرۃ الرسول کی آئینی و دستوری اہمیت، ڈاکٹر طاہر القادری:۵۱) یہاں یہ بات وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ سیاستِ خارجہ کے باب میں جنگی مہم جوئی جس طرح ایک نازک مسئلہ ہے اسی طرح سیاست داخلہ کے باب میں غیر ملکیوں کا مملکت کی مستقل شہریت اختیار کرنا ایک اہم مسئلہ ہے، اس لئے اس دفعہ پر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ مدینہ میں آبسنے والوں کے لئے بھی یہ دفعہ لگائی جاتی کہ کسی بھی شخص کو حضرت محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر مدینہ کا مستقل باشندہ بننے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن اس کے برخلاف یہ کہا گیا کہ جو کوئی مسلمان مدینہ کے مسلمان شہریوں کی تابع داری اختیار کرے، پھر (ہجرت کرکے) ان کے ساتھ آملے وہ سیاسی وحدت کا ایک فرد ہوگا، یعنی مملکت کا ایک شہری ہوگا:

هـذا كتاب من محمد النبي بين المؤمنين والمسلمين من قريش وأهل يثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم ، أنهم أمة واحدة من دون الناس . (الوثائق السياسية:۵۹)

یہ ایک حکم نامہ ہے نبی اور ا کے رسول محمد کا قریش اور اہل یثرب میں ایمان لانے والوں اور ان لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہم راہ جنگ میں حصہ لیں، تمام (دنیا کے) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علاحدہ سیاسی وحدت ہوگی۔

ان دفعات میں اس بات کا واضح اشارہ موجود ہے کہ مسلمانوں کو مملکتِ اسلامیہ کی سیاسی وحدت کا فرد بننے کے لئے کسی عقد کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ غیر مسلموں کو حصولِ شہریت کے لئے عقد و معاہدے کی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ جو کوئی بھی مسلمان ہو کر مدینہ آیا اسے شہریت کے لئے کوئی عقد نہیں کرنا پڑا، اس کے برعکس ان ہی غیر مسلموں کو مملکت مدینہ کی شہریت دی گئی، جنھوں نے مملکت سے اس کا معاہدہ کیا۔

- دستور کی دفعہ:۱۷ کے مطابق تمام مسلمانوں کی صلح ایک ہی ہوگی، دفعہ کے الفاظ ہیں:

وإن سلم المؤمنين واحدة : (حوالۂ سابق:۶۰)

اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔

اس وحدت صلح کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی ایک صلح کرلے تو سب پر اس کی پابندی ضروری قرار پائے؛ چوں کہ جنگ کی حالت میں کسی مسلمان کا دشمن سے صلح کرنا مملکت کی مصلحت کے خلاف ہے، اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ جب تک صلح تمام مسلمانوں کے مفاد میں نہ ہو اس وقت تک صلح نہ کی جائے؛ چنانچہ اسی دفعہ میں یہ الفاظ بھی بڑھائے گئے :

ا کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا،

جب تک کہ یہ صلح ان سب کے لئے برابر اور یکساں نہ ہو۔ (الوثائق السياسية:٦٠-٧، رسول ﷺ کی حکمرانی وجانشینی:٦٢)

جب کہ غیر مسلموں کی شہریت کے باب میں ہمیں صلح ومعاہدہ کی وحدت کا یہ رنگ نظر نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ بنوقینقاع نے جب معاہدہ شکنی کی تو صرف ان ہی کو جلاوطن کیا گیا، بنونضیر اور بنوقریظہ کے معاہدہ کو برقرار رکھا گیا اور بنونظیر نے جب عہد کی پامالی کی تو صرف ان ہی کا محاصرہ کیا گیا، بنوقریظہ پر کسی بھی طرح کی آنچ آنے نہ دی گئی؛ لیکن جب بنوقریظہ نے بھی غداری کی تو انھیں بھی مار بھگایا گیا، دستور نبوی کی مذکورہ بالا دفعہ اور یہودی قبائل سے متعلق سیرت نبوی کا یہ روشن پہلو اس بات پر دال ہیں کہ غیر مسلموں کی صلح اور ان سے کئے جانے والے معاہدے قبائل اور علاقوں کی بنیاد پر تو ہوسکتے ہیں؛ لیکن مسلمانوں کی صلح صرف اور صرف اسلام کی بنیاد پر استوار ہوگی —— افسوس کہ مروجہ نظام شہریت کے وضعی قوانین کو اپنانے کی وجہ سے مسلمانوں کی صلح اور ان کے معاہدے جو کبھی آفاقی تھے، اب مملکت کی حدود تک سمٹ آئے ہیں۔

○ دستورِ مدینہ میں جن غیر مسلموں کو حقوق دیئے گئے ہیں، ان کے قبائل کا نام بہ نام تذکرہ بھی کردیا گیا ہے، (دیکھئے: دفعہ:۲۵-۲۳، الوثائق السياسية:٦١) کیوں کہ یہی وہ قبائل تھے، جنھوں نے معاہدہ کے ذریعہ حق شہریت حاصل کیا تھا: اس کے برخلاف مسلمانوں کو ایک جسدِ واحد قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ دفعہ:۱۵ میں ہے :

وإن المؤمنين بعضهم موالي بعض دون الناس . (الوثائق السياسية:٦٠)

اور ایمان والے باہم بھائی ہیں (ساری دنیا) کے لوگوں کے مقابل۔

وإن سلم المؤمنين واحدة . (حوالۂ سابق)

اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔

اور بعض دفعات میں تو ''جميعاً'' اور ''كافةً'' کے تاکیدی الفاظ لاکر حق شہریت کے اس مسئلہ کو بالکل واضح کردیا گیا، جیسا کہ دفعہ:۱۳ کے الفاظ ہیں :

وأن المؤمنين المتقين أيديهم على كل من بغى منهم أو ابتغى دسيعة ظلماً أو إثماً أو عدوانا أو فسادا بين المؤمنين وأن أيديهم عليه جميعاً ولو كان ولد أحدهم . (حوالۂ سابق)

اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اُٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اور دفعہ:۲۱ میں ہے :

وأن المؤمنين عليه كافة ولا يحل لهم إلا قيام عليه . (حوالۂ سابق:٦١)

اور تمام ایمان والے قاتل کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کے سوا انھیں کوئی اور چیز جائز نہ ہوگی۔

دستور کی مذکورہ بالا دفعات یہ صراحت کرتی ہیں کہ انھیں غیر مسلموں کو حق شہریت حاصل ہوگا، جن کا مملکت کے ساتھ معاہدہ ہو، اس کے برخلاف مسلمانوں کے حق شہریت کی بنیاد اسلام ہے، تمام مسلمان دارالاسلام کے برابر درجہ کے شہری ہیں، تمام کو یکساں حق شہریت

حاصل ہے اور تمام کے حقوق بھی یکساں ہیں اور فرائض بھی، علاقہ وقبائل کا اختلاف ان کے حقوق وفرائض کو مختلف نہیں کرسکتا۔

(۷) مروجہ نظام شہریت کو مسلم مملکتوں میں نافذ کرنے کی وجہ سے علاقہ واریت اور قومیت پروان چڑھ رہی ہے اور اسلامی قیادت کی وحدت ومرکزیت دن کے خواب کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے، اس لئے شرعاً اس کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔

فقہاء کرام کی تائید

فقہاء کرام نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ دارالاسلام کی حدود میں خواہ کتنی ہی مملکتیں وجود میں آجائیں، مملکتوں کا یہ تعدد مسلمانوں کے حقوق وفرائض اور ان کے احکام پر چنداں اثر انداز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ دارالاسلام ٹکڑیوں میں بٹ جانے کے باوجود بھی ایک مملکت کے حکم میں ہے، جب کہ دارالحرب کی ہر مملکت مستقل حیثیت کی حامل ہے؛ چنانچہ مبسوط میں ہے :

...... **لأن دار الإسلام دار أحكام ، فباختلاف المنعة والملك ، لا تتباين الدار فيما بين المسلمين ؛ لأن حكم الإسلام يجمعهم ، فأما دار الحرب ليست بدار أحكام ولكن دار قهر ، فباختلاف المنعة والملك تختلف الدار فيما بينهم .** (كتاب الفرئض ، مواريث أهل الكفر:۳۳/۳)

...... کیوں کہ دارالاسلام دار احکام ہے؛ لہٰذا لشکر واقتدار کے اختلاف سے مسلمانوں کے درمیان دار مختلف نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اسلام کا حکم سب کو شامل ہے، رہی بات دارالحرب کی تو وہ دار احکام نہیں ہے؛ بلکہ دار قہر ہے؛ لہٰذا لشکر واقتدار کے تفاوت سے ان کے درمیان دار بھی مختلف ہوجائے گا۔

البحر الرائق کی عبارت ہے :

...... **لأن دار الاسلام دار الاحكام فباختلاف الملك والمنعة لا تتغير الدار فيما بين المسلمين ؛ لأن أحكام الإسلام تجمعهم .** (كتاب الفرائض ، انواع الحجب:۸/۵۷۳)

...... کیوں کہ دارالاسلام دارالاحکام ہے؛ لہٰذا اقتدار ولشکر کے اختلاف سے مسلمانوں کے حق میں دار تبدیل نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اسلام کا حکم تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔

صاحب تبیین الحقائق نے بھی اس کی وضاحت کی ہے، وہ فرماتے ہیں :

والدار إنما تختلف باختلاف المنعة والملك كدار الاسلام ودار الحرب ودارين مختلفين من دار الحرب باختلاف ملكهم . (تبیین الحقائق، کتاب الفرائض، العصبات:۶/۲۴۰)

اور دار لشکر واقتدار کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، جیسے دارالاسلام اور دارالحرب یا اقتدار کے مختلف ہونے کی وجہ سے دارالحرب کے دو مختلف دار۔

معاصر اہل علم کی تائید

مروجہ نظام شہریت سے متعلق تلاشِ بسیار کے باوجود کسی معاصر اہل علم کا کوئی باضابطہ تفصیلی مقالہ نہیں مل سکا؛ البتہ بعض اہل علم نے دوسرے موضوعات کے تحت اس کا تذکرہ کیا ہے؛ چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی میراث کی بحث میں شامی قانون کی ایک دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

وأما القانون السورى فى المادة (264) فإنه نص على أنه لا يمنح الاجنبى حق الإرث ...... وهذا شامل مع الأسف المسلمين من جنسيات مختلفة ، وهو لم يقل به فقيه ، ...... لأن المسلم لا يعتبر فى بلاد دار الإسلام أجنبياً .

(الفقه الاسلامى وأدلته ، كتاب الفرائض الباب السادس ، الميراث ، المانع الثانى القتل :۱۰/۷۴۲۶)

بہر حال شامی قانون کی دفعہ ۲۶۴ تو وہ اس بات میں صریح ہے کہ اجنبی کو میراث کا حق نہیں ملے گا، افسوس کہ یہ دفعہ مختلف شہریت رکھنے والے مسلمانوں کو بھی شامل ہے، حالاں کہ اس کا کوئی بھی فقیہ قائل نہیں ہے؛ کیوں کہ مسلمان اسلامی ملکوں میں اجنبی نہیں ہوسکتا۔

موسوعہ فقہیہ کے مرتبین کا بیان ہے :

فإن كان اختلاف الدارين بين مسلمين لم يؤثر ذلك شيئاً ؛ لأن ديار الاسلام كلها دار واحدة . (اختلاف الدار:۲/۴/۲۰۴)

دار کا اختلاف اگر مسلمانوں کے درمیان ہو تو اس سے کچھ بھی فرق نہیں پڑے گا؛ کیوں کہ دار الاسلام پورا ایک دار (مملکت) ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے وہ فرماتے ہیں :

ويلاحظ هنا أن هذه الدول الإسلامية تجرى فى مسائل الجنسية وفق قواعد وضعية ، وهذه القواعد تقضى بأن الأجنبى هو كل من لا يتمتع بجنسية الدولة ولو كان مسلماً ...... ولا شك أن هذا الاتجاه يخالف المقرر فى الفقه الاسلامى من أن المسلم يعتبر من أهل دار الاسلام أينما كان .

(أحكام الذميين والمستامنين ، الباب التمهيدى ، الفصل الثانى ، البحث الأول : الذميون :۳۷)

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اسلامی مملکتیں شہریت کے مسائل میں وضعی اُصولوں پر عمل پیرا ہیں، ان اُصولوں کے مطابق ہر وہ شخص جسے مملکت کی شہریت حاصل نہ ہو اجنبی ہے، خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو ......اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نظریہ فقہ اسلامی کے اس اُصول کے خلاف ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو دار الاسلام کا باشندہ ہے۔

''الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی'' کے مشہور مصنف جسٹس علی علی رنے ایس وآں کے بغیر دوٹوک الفاظ میں اپنا موقف ظاہر کیا ہے :

فمن أجاب داعى الله وأسلم لله وحده معنا فأصبح منا ـــ أيا كان أصله أو جنسه أو لونه أو لغته أو بلده ـــ ويتساوى معنا فى الحقوق والواجبات ، له مالنا وعليه ماعلينا وله أن يقيم فى أى بلد من بلاد الإسلام وينتقل من إحداها إلى الأخرى .

(الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی:۹۱، ط:القاہرۃ ۱۹۷۱)

جو کوئی بھی داعی الی ا کی دعوت پر لبیک کہے اور ہمارے ساتھ صرف ایک خدا کی فرمانبرداری اختیار کر لے تو وہ ہم میں سے ہو جائے گا —— خواہ اس کی اصل، اس کی جنس، اس کا رنگ، اس کی زبان اور اس کا شہر کچھ بھی ہو —— اور وہ حقوق و واجبات میں ہمارے ساتھ برابر کا شریک رہے گا، اس کو وہی حقوق حاصل رہیں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور وہی ذمہ داریاں اس پر عائد ہوں گی جو ہم پر عائد ہیں، اسے حق ہوگا کہ وہ دار الاسلام کے جس شہر میں چاہے اقامت پذیر ہو اور جہاں چاہے وہاں منتقل ہو۔

یہ اپنی دوسری کتاب ''مقارنات بین الشریعۃ الاسلامیہ والقوانین الوضعیہ'' میں لکھتے ہیں :

مسلم من بلد أو دولة أجنبية ، وهذا له جميع الحقوق الإنسانية والمدنية والسياسية

كاملة ...... إذ بالإسلام له مالنا وعليه ما علينا . (ص:۹۴،ط:دارالفتح للطباعة والنشر،بيروت)

مسلمان خواہ کسی شہر کا ہو یا اجنبی ملک کا، اسے ہر طرح کے تمام انسانی، شہری اور سیاسی حقوق حاصل ہوں گے؛ کیوں کہ محض اسلام کی وجہ سے اسے وہ حقوق حاصل ہیں جو ہمیں حاصل ہیں اور اس پر وہ ذمہ داریاں عائد ہیں جو ہم پر عائد ہیں۔

عرب کے طیار خاندان سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر علی بن عبدالرحمٰن الطیار نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :

ليس لدار الإسلام حدود إقلمية أو سياسية تفصل بين الشعوب التى تدين بالإسلام ...... وكذلك الأمر فيما يتعلق بالجنسية ، فهى جنسية واحدة ؛ لأن الإسلام دين وجنسية معاً . (حقوق غير المسلمين فى الدولة الإسلامية:۷۷،مكتبة الفهد الوطنية ، السعودية)

دارالاسلام کی کوئی ایسی علاقائی یا سیاسی سرحد نہیں ہے جو دینِ اسلام کے پیروکار عوام کے درمیان خطِ فاصل کھینچے ...... یہی امر مسئلہ شہریت سے متعلق بھی ہے کہ (اسلامی شہریت) صرف ایک شہریت ہے؛ کیوں کہ اسلام بہ یک وقت مذہب بھی ہے اور شہریت بھی۔

ایران کے ایک شیعہ اسکالر صدرالدین قبانچی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے :

إن كل فرد مسلم يعتبر مواطناً بهذا المعنى لأنه عضو فى الأمة الإسلامية له كل الحقوق والامتيازات كما عليه كل الواجبات والمسئوليات ؛ إن الانتماء إلى الإسلام هو أساس هذه العضوية . (المذہب السیاسی فی الاسلام:۱۲۹،ط:دارالاضواء،بیروت)

اس مفہوم میں ہر مسلمان فرد ''شہری'' شمار ہوگا؛ کیوں کہ وہ اسلامی مملکت کا رکن ہے، اس کو ہر طرح کے حقوق و امتیازات حاصل ہیں اور اس پر ہر طرح کے فرائض و واجبات عائد ہیں، یقیناً اسلام سے تعلق قائم کر لینا ہی اس رکنیت (شہریت) کی بنیاد ہے۔

جامعہ ازہر کے استاذِ فقہ مقارن ڈاکٹر سعدالدین مسعد ہلال کی ویب سائٹ:"www.saadhelaly.com" پر ''**الجنسية أو المواطنة والرافضون لها**'' کے عنوان سے موجود مضمون کے مطابق شیخ محمود شلتوت، شیخ محمد ابو زہرہ، شیخ ناصرالدین البانی اور سید قطب شہید بھی مروجہ نظامِ شہریت کے عدمِ جواز کے قائل تھے۔

دلائل جواز کا ایک جائزہ

دلیل اول: ولاء الموالاۃ

اس مسئلہ کو ولاء الموالاۃ پر قیاس کرنا کم از کم دو وجوہ سے صحیح نہیں :

(الف) مقیس علیہ مختلف فیہ ہے؛ کیوں کہ مذاہبِ اربعہ میں صرف احناف اس کے جواز کے قائل ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ (دیکھئے: الموسوعۃ الفقهیہ، ولاء:۱۲۸/۴۵، بدایۃ المجتہد، الفرائض، فی الولاء:۱۷۹/۴، تحفۃ المحتاج، کتاب العتق، فصل فی الولاء، کشاف القناع، باب العاقلۃ: ۵۹/۶، المحیط البرہانی، کتاب الولاء: الفصل الثانی فی ولاء الموالاۃ:۱۸۷/۴)۔

(ب) ولاء الموالاۃ میں مولی اسفل اور مولی اعلیٰ کو جو حقوق حاصل ہوتے ہیں وہ انھیں پہلے سے حاصل نہیں رہتے، جب کہ شہریت کے اس مسئلہ میں دارالاسلام کے مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کی وجہ سے پہلے سے یکساں درجہ کے حقوق حاصل رہتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی مسلم مملکت کے باشندے ہوں، اس لئے ولاء الموالاۃ پر حق شہریت کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

دلیل دوم: حدیث نبوی ''ما أحل الله فی کتاب فهو حلال ...... الخ''

اس حدیث کو مروجہ نظام شہریت کے جواز کی اصل بنانا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ اس مضمون کی ایک اور حدیث طبرانی نے روایت کی ہے، جس سے حدیث مستدل بہ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

إن الله فرض فرائض فلا تضیعوها ، ونھی عن أشیاء فلا تنتھکوھا ، وحد حدوداً فلا تعتدوھا ، وغفل عن أشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا ، رواہ الطبرانی فی الکبیر ...... ورجالہ رجال الصحیح . (مجمع الزوائد: ۱/۱۷۱، کتاب العلم، فی اتباع الکتاب والسنۃ ومعرفۃ الحلال والحرام، حدیث نمبر: ۷۹۶)

بے شک ا نے فرائض متعین کر دیئے ہیں، تم ان کو ضائع مت کرو اور کئی چیزوں سے منع کر دیا ہے، تم ان کا ارتکاب مت کرو اور حدود متعین کر دی ہیں، تم ان سے تجاوز مت کرو اور سہو ونسیان کے بغیر کئی چیزوں سے خاموشی اختیار کی ہے، تم ان کی ٹوہ میں مت پڑو — طبرانی نے معجم کبیر میں اس کو روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

یہ حدیث اس باب میں واضح ہے کہ اسلام نے جو حقوق وفرائض متعین کئے ہیں، انھیں علاقہ واریت کی بنیاد پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا کہ غیر ملکیوں کو بعض ان حقوق سے محروم کر دیا جائے جو اسلام نے انھیں دیئے ہیں اور بعض وہ فرائض ان سے ساقط کر دیئے جائیں جو اسلام کی رو سے ان پر عائد ہوتے ہیں

دلیل سوم: الأصل فی الأشیاء الاباحۃ

فقہ اسلامی کی لچک داری اور شرعِ اسلامی کی پائے داری اور حالات سے ہم آہنگی کے سلسلہ میں یقیناً اس قاعدے کا اہم کردار ہے؛ لیکن زیر بحث مسئلہ میں اس سے استدلال حسبِ ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے :

(الف) یہ قاعدہ ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے؛ پورا قاعدہ اس طرح ہے: **''الأصل فی الأشیاء الإباحۃ حتی یدل الدلیل علی التحریم''**، یعنی اشیاء میں اصل تو مباح ہونا ہے بہ شرطیکہ اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہ پائی جائے اور زیر بحث مسئلہ میں عدم جواز کے دلائل تفصیل سے ذکر کر دیئے گئے ہیں؛ لہٰذا اس قاعدے میں موجود شرطیہ جز و کو ملحوظ رکھنا بہر صورت ضروری ہے؛ کیوں کہ اگر صرف پہلے جز و سے استدلال کیا جائے تو موجودہ دور کے بے شمار غیر اسلامی نظام اور نظریات جواز کے دائرے میں آ جائیں گے، یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض عرب ملکوں میں جب اشتراکی نظام معیشت کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو علماء نے اس کی اس وجہ سے بھی مخالفت کی کہ انفرادی ملکیت کا جو حق اسلام ہمیں عطا کرتا ہے وہ اشتراکی نظام معیشت میں سلب کر لیا جاتا ہے، گویا اسلام کی طرف سے ملنے والا کوئی حق اگر کسی نظام میں سلب کر لیا جائے تو وہ ناقابل قبول ہے، مروجہ نظام شہریت میں بھی بہت سے وہ حقوق جو مسلمان ہونے کے ناطے مسلمانوں کو ملتے ہیں وہ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے سلب کر لئے جاتے ہیں۔

(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر کی تعیین کرنی چاہی — جو کہ ایک مباح امر تھا — تو ان پر نکیر کی گئی، جب کہ تدوین دواوین کا نظام بھی مباح کے قبیل سے تھا؛ لیکن اس سلسلہ میں ان پر نکیر نہیں کی گئی، دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مہر کی تعیین کی وجہ سے نص کی خلاف ورزی ہو رہی تھی اور تدوین دواوین میں اس طرح کی کوئی بات نہیں تھی، مروجہ نظامِ شہریت بھی اگر اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے تو بھی اس کے اختیار کرنے سے نصوص کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، جن میں سے چند کا تذکرہ پیچھے گذرا ہے؛ اس لئے **''الأصل فی الاشیاء الإباحۃ''** کے قاعدے سے زیر بحث مسئلہ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

دلیل چہارم: ''المسلمون علی شروطهم''

اس حدیث میں یہ اُصول بھی ذکر کردیا گیا ہے کہ طے کردہ شرائط اور معاہدے احکامِ شرع سے متصادم نہ ہوں، اگر ایسا ہوگا تو کم از کم متصادم دفعات پر عمل کرنے کے مسلمان پابند نہیں ہیں؛ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ عمل نہ کرنے کے پابند ہیں اور مروجہ نظامِ شہریت کے جو پہلو احکام شرع سے متعارض ہیں وہ مدلل بیان کردیئے گئے، رہ گئے وہ معاہدے اور معاہدوں کی وہ دفعات جو اصلاً مباح ہوں اور ان کے جائز ہونے کی صراحت نہکی گئی ہو تو نہ صرف شہریت کے نظام میں بلکہ دنیا کے ہر نظام میں ان کی پابندی مسلمانوں پر ضروری ہے، الا یہ کہ کوئی شرعی مانع درپیش ہو، مروجہ نظامِ شہریت کے بین الاقوامی قانون ومعاہدے سے متعلق ہونے کو جواز کی دلیل بنانے والوں کے لیے یہ بات فائدہ سے خالی نہیں کہ بین الاقوامی کا شرعی تجزیہ کرنے والے معروف قلم کار جسٹس علی علی ربھی مروجہ نظامِ شہریت کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ (دیکھئے: الشريعة الإسلامية والقانون الدولي: ۹۱، ط: قاہرہ: ۱۹۷۱)

دلیل پنجم: ''الضرورات تبيح المحظورات''

اس بات سے مجالِ انکار نہیں کہ موجودہ دور میں شہریت کا مسئلہ ضرورت کا درجہ اختیار کرگیا ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ضرورت کس کے حق میں ہے، حکومت کے حق میں یا عوام کے حق میں؟ اگر حکومت کے حق میں ضرورت ہے تو پھر دیگر وضعی قوانین کا نفاذ بھی اس قاعدے کی رو سے مباح ہوں گے، رہی بات عوام کے حق میں ضرورت ہونے کی تو یہ ہمیں بھی تسلیم ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کا مسلم مملکت کی شہریت حاصل کرنا قانونی مجبوریوں کی وجہ سے جائز ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اسلام شہریت کے اس بنیادی تصور کو تسلیم کرتا ہے کہ کسی مملکت کا مستقل باشندہ بنا جائے اور مملکت (دار) کے اختلاف سے احکام مختلف ہوں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے دار الحرب، دار العہد اور دار الاسلام کے احکام یکساں نہیں ہیں؛ لیکن دار الاسلام کی شہریت کا تعدد، مسلمانوں کے لئے حصولِ شہریت کا لزوم اور دار الاسلام کے مسلم باشندوں کے درمیان حقوق وفرائض کی بابت علاقہ وملک کی بنیاد پر ملکی وغیر ملکی کی تقسیم اسلامی مزاج کے بھی خلاف ہے اور اسلامی تعلیمات کے بھی مغائر، نیز مروجہ قوانین میں حصولِ شہریت کے ذرائع، شہریت سے محرومی کے اسباب اور شہریت کی وجہ سے حاصل ہونے والے حقوق وسہولیات اور عائد ہونے والے فرائض وواجبات کے جو اُصول ہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے ان کا جواز سمجھ میں نہیں آتا؛ کیوں کہ اسلام جغرافیائی تقسیم کی وجہ سے مسلمانوں کو تقسیم نہیں کرتا، اس کی نظر میں دار الاسلام کے سارے شہری برابر ہیں، دار الاسلام کی حدود میں کھنچی علاقائی سرحدوں کی لکیریں مسلمان شہریوں کے حقوق وفرائض کے درمیان تفریق کی لکیر نہیں کھینچ سکتیں؛ لہٰذا مسلم مملکتوں کی طرف سے مسلمانوں کو یہ اجازت ہونی چاہئے کہ وہ دار الاسلام کے جس گوشے وعلاقے کو چاہیں اپنا مسکن بنائیں، مسلم مملکتوں کی جغرافیائی سرحدیں بھی مہاجرین ونو واردین کے لئے سراپا استقبال ہوں اور مسلم حکمرانوں کے دردل بھی قومیت وعلاقائیت سے پرے ہوکر پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کی بےلوث کے لئے وا ہوں۔

البتہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ موجودہ دور کے پیچیدہ نظام حکومت میں اگر شہریوں کی تعداد کا اور آبادی کی شرح کا صحیح اندازہ نہ ہو تو مملکت کو انتظامی اُمور مثلاً: معاشی یہ بندی و بجٹ سازی وغیرہ میں مشکلات سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے، اس لئے انتظامی مصلحت کے پیش نظر نو واردین ومہاجرین کو اس بات کا پابند بنایا جاسکتا ہے کہ وہ متعلقہ حکومتی دفتر میں اپنا رجسٹریشن کرائیں اور اپنا نام ودیگر تفصیلات کا اندراج کرائیں، اگر کوئی نو وارد واقعتاً اسلام یا مسلمانوں یا مسلم مملکت کے لئے ضرر کا باعث ہو تو ''الضرر يزال'' قاعدے کے تحت اس کو واپس کیا جاسکتا ہے، تاہم یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اندراج کی یہ کاروائی محض انتظامی نوعیت کی ہوگی، اس کی وجہ سے شریعت اسلامیہ کی طرف سے حاصل ہونے والے حقوق وسہولیات اور فرائض وواجبات میں کچھ تبدیلی نہیں ہوگی، وہ جیسے پہلے حاصل تھے اب بھی حاصل رہیں گے اور اگر اندراج کی اجازت نہ ملے تب بھی حاصل رہیں گے۔ ہذا ما عندی وا اعلم بالصواب!!

رجسٹریشن کی درخواست قبول کرنا

شہریت کی درخواست کے بجائے رجسٹریشن کی درخواست کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ شہریت کے لفظ سے ذہن مروجہ نظام شہریت کی طرف جاتا ہے جو کہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے؛ کیوں کہ جب کوئی مسلمان دارالاسلام کے کسی علاقے کو اپنا مسکن بنالے تو وہ پورے دارالاسلام کا شہری ہوجاتا ہے، علاقوں کے بدلنے سے اس کے حقوق وفرائض نہیں بدلا کرتے؛ البتہ ''**وجعلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفوا**'' کے پیش نظر مسلمان دارالاسلام کے جس علاقے میں آباد ہوں بغرضِ تعارف اس علاقے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرسکتے ہیں، مثلاً مصری، فلسطینی وغیرہ، صحابہ کرام ﷺ میں بھی ہمیں اس کی مثال ملتی ہیں، جیسے بلال حبشی، سلمان فارسی، صہیب رومی وغیرہ؛ لہٰذا اگر شہریت سے مراد حقوق وفرائض سے قطع نظر کسی علاقہ کا مستقل باشندہ بننا اور اس علاقہ کی طرف اپنی نسبت کرنا ہو تو مصری شہری اور فلسطینی شہری وغیرہ الفاظ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بہرحال یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلم مملکت کا مستقل باشندہ بننا چاہے اور اس کے لئے وہ متعلقہ حکومتی دفتر میں درخواست پیش کرے؛ تاکہ اس کا رجسٹریشن ہوسکے، تو کیا حکومت پر اس کی درخواست قبول کرنا ضروری ہوگا؟ اس سلسلہ میں اگر ایک نظر اس عقد شہریت پر ڈال لی جائے جسے فقہاء نے عقد ذمہ کے نام سے ذکر کیا ہے تو یہ مسئلہ بہت آسانی کے ساتھ حل ہوجائے گا۔

احناف نے عقد ذمہ قبول کرنے کو مطلقاً واجب قرار دیا ہے، شوافع نے بھی جاسوس کے استثناء کے ساتھ وجوب کی بات کہی ہے، حنابلہ نے بھی وجوب کا موقف اختیار کیا ہے، بشرطیکہ درخواست گزار کی طرف سے کسی غداری کی اندیشہ نہ ہو، مالکیہ نے گو مصلحت کو بنیاد بنایا ہے؛ لیکن فی الجملہ وجوب کی بات کہی ہے، (دیکھئے: عنایہ مع الفتح، کتاب السیر، فصل فی الامان: ۴۵۴/۵، مغنی المحتاج، کتاب عقد الجزیۃ: ۲۴۳/۴، الانصاف، کتاب الجہاد، باب عقد الذمۃ: ۳۹۳/۱۰، شرح مختصر خلیل للخرشی، باب احکام الجہاد، فصل فی مقدمۃ الجزیۃ: ۱۲۵/۱۰) —— یہاں اس سے بحث نہیں ہے کہ موجودہ دور میں غیر مسلموں کے عقد ذمہ کو قبول کرنے کے بارے میں حکومت کا کیا موقف ہونا چاہئے، یہاں بتانا یہ ہے کہ فقہ اسلامی کی رو سے جب غیر مسلموں کا عقد ذمہ قبول کرنا واجب ہے تو مسلمانوں کی طرف سے پیش کی جانے والی مستقل سکونت اختیار کرنے کی درخواست قبول کرنا بہ درجہ اولیٰ واجب ہوگا، الا یہ کہ کسی درخواست کو قبول کرنا اگر اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں یا مسلم مملکت کی مصلحت کے خلاف ہو تو پھر اس کی درخواست رد کی جاسکتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے استدلال نہیں تو کم از کم استیناس کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بعض انتظامی مصلحتوں کی وجہ سے مدینہ سے باہر منتقل کردیا تھا اور مدینہ میں رہنے کی ان کو اجازت نہیں تھی؛ کیوں کہ ان کا مدینہ میں رہنا بعض پہلوؤں سے مسلمانوں کے حق میں مفید نہیں تھا؛ لہٰذا اگر کسی کی درخواست قبول کرنا مسلمانوں اور مسلم مملکت کے مفاد کے خلاف ہو تو اس کی درخواست رد کرنے کی گنجائش ہوگی؛ لیکن یہ استثنائی صورت ہے، اصل یہی ہے کہ درخواست قبول کرلی جائے۔

پناہ گزینوں کے حقوق (Rights of Refugees)

کسی بھی مسلم مملکت میں پناہ حاصل کرنے والے مسلمان دو طرح کے ہوسکتے ہیں، ایک وہ جو اپنے وطن سے ہجرت کرکے آئے ہوں اور پناہ دہندہ مملکت میں مستقل سکونت اختیار کرنا چاہتے ہوں، ایسے پناہ گزین کو مملکت کا مستقل باشندہ بنالیا جائے گا؛ کیوں کہ ان مفلوک الحال وستم رسیدہ مہاجرین کو بلا کسی عذر شرعی کے مستقل سکونت کی اجازت نہ دینا ہجرت کے مقصد کو نظر انداز کرنا ہے؛ بلکہ ہجرت کے مقدس فریضے کا سد باب کرنا ہے، دوسرے وہ پناہ گزین ہیں، جو عارضی طور پر مقیم ہوں اور وطن کے حالات سازگار ہونے کے منتظر ہوں، ایسے پناہ گزینوں (Refugees) کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کے درمیان اور اس مملکت کے قدیم باشندوں کے درمیان حقوق وفرائض کے باب میں فرق روا رکھا جاسکتا ہے؟ کیا اس مملکت کے باشندوں کو ملنے والی بہت سی سہولیات سے انھیں محروم رکھا جاسکتا ہے؟

فقہ اسلامی میں ہمیں دار الحرب، دار العہد اور دار الاسلام کے احکام میں اختلاف نظر آتا ہے؛ لیکن دار الاسلام کی حدود میں واقع علاقہ وملک کے اختلاف سے احکام میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا؛ کیوں کہ یہ بات پیچھے گذر چکی کہ دار الاسلام کے تمام شہریوں کو برابر درجہ کے حقوق حاصل ہیں، اور ان پر مساوی درجہ کے فرائض عائد ہیں اور تمام شہریوں کو حکومت کی طرف سے یکساں سہولتیں حاصل ہیں اور علاقہ ووطن کا اختلاف اس سلسلہ میں کوئی معنی نہیں رکھتا، اس لئے حقوق وفرائض کے سلسلہ میں علاقہ وملک کی بنیاد پر ملکی وغیر ملکی اور پناہ گزین وشہری کے نام پر دار الاسلام کے مسلم شہریوں کے درمیان تفریق کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے، شیخ مفتی محمد عبدہ کے نظریات سے یقیناً اختلاف کیا جاسکتا ہے؛ لیکن ان کا یہ فتویٰ مبنی بر حقیقت ہے :

لا جنسية في الإسلام ، ولا امتياز في الحقوق بين مسلم ومسلم . (فتاویٰ ازہر:۴۳/۵، المکتبۃ الشاملۃ)

اسلام میں (مروجہ) شہریت کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور مسلمانوں کے درمیان حقوق کے سلسلہ میں کوئی اختلاف روا نہیں رکھا جاسکتا ہے۔

البتہ پناہ گزینوں کو دیئے جانے والے سیاسی حقوق میں سے دو طرح کے حقوق یعنی انتخاب لڑنے یا سیاسی عہدہ حاصل کرنے کا حق اور ووٹ دینے کا حق قابل توجہ ہیں :

(۱) موجودہ دور میں عوام اپنے نمائندے محلوں، قریوں اور شہروں یعنی علاقوں کی بنیاد پر منتخب کر کے ایوانِ حکومت میں بھیجتے ہیں، یہ نمائندے اپنے علاقوں کے ذمہ دار بھی ہوتے ہیں اور ان علاقوں میں رہنے والے باشندوں کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ پناہ گزین جن علاقوں میں عارضی طور پر مقیم ہیں ان کا ان علاقوں سے تعلق نہیں اور نہ ہی وہاں مستقل سکونت اختیار کرنا ان کا ارادہ ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ایوانِ حکومت میں پہنچنے والے نمائندے اپنے علاقوں کے مستقل باشندوں کے وکیل ہوتے ہیں، نہ کہ عارضی طور پر قیام کرنے والے لوگوں کے، اس لئے پناہ گزینوں کو اگر ووٹ دینے سے روکا جائے تو اس کی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں ہمیں دستورِ مدینہ کی بعض دفعات سے ر ئی ملتی ہے، آپ ﷺ نے مملکت مدینہ تشکیل دینے کے بعد وہاں کے قبائل کی مستقل اکائیاں بنادی تھیں اور اس وقت ہر قبیلہ اپنے آپ میں ایک محلّہ ہوا کرتا تھا، گویا کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے مملکت کو محلوں کی بنیاد پر مستقل اکائیوں میں بانٹ دیا تھا، ہر قبیلہ اپنے محلے کا ذمہ دار تھا اور دیت ادا کرنا اور قیدیوں کو چھڑانا ہر ایک محلّہ کی مستقل اپنی ذمہ داری تھی اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں —— عام حالات میں —— صرف اس کے لوگ ہی شریک تھے، (دیکھئے: دفعہ:۴-۱۱، رسول ا ﷺ کی حکمرانی اور جانشینی، ڈاکٹر حمید ا :۶۰-۶۱) —— اسی طرح موجودہ دور میں بھی حکومت کی بہت ساری ذمہ داریاں علاقائی اکائیوں میں تقسیم ہیں اور ہر علاقے کا مستقل اپنا ایک ذمہ دار ہوتا ہے جو اپنے علاقے کی نمائندگی بھی کرتا ہے اور پناہ گزینوں کا تعلق چوں کہ اس علاقے سے نہیں ہے اس لئے انھیں اس علاقے کا ذمہ دار اور نمائندہ منتخب کرنے کا حق دینا بے سود ہے، اس کی مزید وضاحت آپ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا :

أخرجوا إلي اثني عشر نقيباً منكم ، يكونون على قومهم .

(مجمع الزوائد :۹۸۸، کتاب المغازی، ابتداء امر الأنصار:۱۵۲/۶)

تم اپنے میں سے بارہ نقیب منتخب کر کے لاؤ وہ اپنی قوم (اپنے اپنے ں) کے ذمہ دار ہوں گے۔

اس زمانے میں قبائلی نظام رائج تھا اس لئے آپ ﷺ نے ں کی بنیاد پر نمائندے منتخب کرائے اور ''أخرجوا'' اور ''منکم'' کے ذریعہ یہ بات بھی واضح کر دی کہ نمائندے انصار ہی میں سے ہوں اور انصار ہی انھیں منتخب کریں، موجودہ دور میں نمائندگی کے لیے قبائلی نظام کے بجائے علاقائی نظام رائج ہے، اس لئے حکومت کی طرف سے یہ اعلان کیا جاسکتا ہے کہ جس علاقے کا نمائندہ منتخب کیا جارہا ہے اسی علاقے کے باشندوں کو انتخاب کرنے کا حق ہے، عارضی طور پر رہائش پذیر لوگوں کو اس کا حق نہیں۔

(۲) عہدے اور منصب اسلامی نقطۂ نظر سے ''حق'' نہیں؛ بلکہ عظیم ''ذمہ داری'' ہیں، ایسی عظیم ذمہ داری مظلوم پناہ گزینوں کے کاندھوں پر ڈالنا بجائے خود ایک ظلم ہے؛ اس لئے پناہ گزینوں کو الیکشن لڑنے اور سیاسی عہدہ ومنصب حاصل کرنے سے دور رکھا جاسکتا ہے اور اگر ان پناہ گزینوں میں سے کوئی شخص یہ عہدہ ومنصب طلب کرے تو حدیث نبوی کی رو سے اسے عہدہ ومنصب نہ دینا جائز ہے؛ چنانچہ یہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

إنا واللہ لا لا نولی علی عملنا ھذا من سألہ أو حرص علیہ . (بخاری، کتاب الاحکام:۷۱۴۸)

خدا کی قسم ہم اپنے اس کام کا کسی ایسے شخص کو ذمہ دار نہیں بنائیں گے جو اسے طلب کرے یا اس کی لالچ کرے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کسی پناہ گزین کے اندر صلاحیت و قابلیت ہو اور اس کو اس کی صلاحیت کے اعتبار سے کوئی عہدہ ومنصب تفویض کرنا مسلم مملکت اور مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو ایسا کرنا شرعاً ناجائز بھی نہیں ہے۔

غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا

غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کی مختلف امکانی صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم بھی ایک جیسا نہیں ہے :

(۱) یہودیوں کا ملک اسرائیل چوں کہ مسلمانوں کی زمین غصب کرکے ناجائز طور پر تشکیل دیا گیا ہے، اس لئے اس ملک کی مستقل شہریت اختیار کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے عہدیداروں کو شہریت کی درخواست پیش کرنا اس بات کا اعتراف کرنا ہے کہ یہ ملک ان غاصبوں کا ہے اور اس کا وجود جائز بنیادوں پر استوار ہے۔

(۲) وہ ممالک جو ٹھیٹھ معنوں میں دار الحرب ہوں، جہاں دین پر عمل کرنا دشوار ترین امر ہو، مذہبی آزادی حاصل نہ ہو اور انفرادی زندگی میں بھی اسلامی احکام کی بجا آوری مشکل ہو تو ایسے ملک کی بھی شہریت اختیار کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسے ممالک سے بہ صورتِ امکان ہجرت واجب ہے؛ چہ جائے کہ وہاں کی شہریت اختیار کی جائے، صلح حدیبیہ سے پہلے مکہ بھی اسی طرح کا دار الحرب تھا؛ اس لئے قدرت ہونے کے باوجود کسی عذرِ شرعی کے بغیر وہاں سے ہجرت نہ کرنے والوں کے بارے میں سنگین وعید نازل ہوئی :

أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا. (النساء:۹۷)

کیا ا کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے، یہی ہیں وہ لوگ جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

(۳) کسی مسلمان کو اس کے ملک میں روزگار کے ذرائع میسر نہ ہوں، پوری تگ ودو کے باوجود بھی کسی مسلم ملک میں روزی روٹی کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہو پائے اور تنگی کی وجہ سے فاقہ کشی کی نوبت بھی آجاتی ہو، ایسے شخص کو اگر کسی غیر مسلم ملک میں ملازمت ملے یا روزگار کا کوئی ذریعہ ہاتھ آئے جس کی وجہ سے وہ وہاں کی شہریت اختیار کرلے تو اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ اضطرار کی حالت ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنے دین وایمان کے سلسلے میں مامون ہو؛ کیوں کہ حفظ دین کا درجہ حفظ نفس سے بڑھا ہوا ہے۔

(۴) یہی حکم اس شخص کے بارے میں بھی ہوگا جو اپنے ملک میں ناحق ظلم وستم کا شکار ہو، بلا کسی جرم کے قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار ہو، اربابِ اقتدار کی چیرہ دستیوں سے زندگی اجیرن بن گئی ہو اور کوئی دوسرا مسلم ملک بھی شہریت دینے پر آمادہ نہ ہو یا اگر کسی دوسرے مسلم ملک میں شہریت مل بھی جائے تو بھی ظالموں کے ہاتھ وہاں تک پہنچنے کا قوی اندیشہ ہو، جس کی وجہ سے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کے سوا اس کے سامنے اور کوئی راستہ نہ ہو۔

(۵) کوئی شخص فاقہ کشی کا شکار نہ ہو اور نہ ہی ظلم وستم سے دوچار ہو اور جس ملک کی شہریت اختیار کر رہا ہو وہاں مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہو؛ لیکن تہذیب وتمدن کے نام پر بدتہذیبی کا ایسا سیلاب ہو کہ سفینۂ ایمان دین بے زاری کے گرداب میں غرقاب ہو جائے اور اس کے پاس ''عشق'' کی عظیم دولت کی فراوانی بھی نہ ہو کہ ''عشق خود ایک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام''، جس کی وجہ سے ماحول میں ڈھل جانے اور ایمانی حمیت کے ختم ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے اس غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ موت تک اسلامی احکام پر کاربند رہنا فرض ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوْتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُوْنَ . (آل عمران:۱۰۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرو، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان رہو۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

أنا بريئ من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين .

(أبوداؤد ، كتاب الجهاد ، النهى عن قتل من اعتصم بالسجود:٢٦٤٥)

میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کرے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے دین وایمان کے سلامت رہنے کے سلسلہ میں مامون نہ ہو :

وهذا محمول على من لم يأمن على دينه . (فتح البارى : الجهاد والسير ، وجوب النفير:٦/٤٨)

یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے دین پر مامون نہ ہو۔

(٦) کوئی شخص کسی غیر مسلم ملک میں خالص دعوتی نقطۂ نظر سے رہائش اختیار کرنا چاہے؛ تا کہ وہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دے، اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دے، لوگوں کے شبہات کا ازالہ کرے یا مسلمانوں کے درمیان تعلیم وتبلیغ کا فریضہ انجام دے اور کفر کے اندھیروں میں ہوا کی تندی وتیزی سے بے پروا ہو کر اسلام کی شمع روشن کرے، تو ایسے شخص کا اس غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا صرف جائز ہی نہیں؛ بلکہ امر مستحسن ہے اور اس کا یہ عمل قابل ستائش ہے، غیر مسلم ملکوں میں موجود صحابہ کرام ﷺ کی قبریں جواز کی دلیل کے لئے کافی ہیں۔

(۷) کوئی شخص دعوتی مقصد کے تحت کسی غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرنا چاہتا ہے؛ لیکن ساتھ میں اس کا ارادہ معاشی استحکام پیدا کرنا بھی ہے تو یہ صورت بھی شرعاً جواز کے دائرے میں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے عازمینِ حج کو ایامِ حج میں تجارت کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا :

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ . (البقرة:١٩٨)

تم پر کچھ حرج نہیں ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

یعنی کسی کا اصل مقصد حج کرنا ہو اور ساتھ میں وہ تجارت بھی کرے تو اس کی اجازت ہے، کذا ہذا۔

(۸) اگر مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو، یعنی جس مملکت کی شہریت حاصل کرنی ہے، وہ دارالحرب بھی نہ ہو، اسرائیل جیسی ریاست بھی نہ ہو، مذہب پر عمل کرنے میں دشواری بھی نہ ہو، ماحول میں ڈھل جانے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور شہریت حاصل کرنے والا فاقہ کشی سے دوچار بھی نہ ہو، ظلم وستم کا شکار بھی نہ ہو اور اس شہریت حاصل کرنے کے پیچھے کوئی خاص دعوتی مقصد بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ شہریت اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور حسبِ ذیل روایات سے استدلال کیا جاتا ہے :

- **قال (ﷺ) : أنا بريئ من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين ، قالوا : يا رسول الله !**

لم ؟ قال : لا تراءیٰ نارا هماً . (أبوداؤد ، کتاب الجهاد ، النهی عن قتل من اعتصم بالسجود:۲۶۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان اقامت اختیار کرے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں؟ آپ نے جواب دیا: ان دونوں کی آگ میں امتیاز نہیں ہو سکے گا۔

- **من جامع المشرک وسکن معه فإنه مثله** . (أبوداؤد، کتاب الجہاد، فی الاقامۃ بأرض الشرک:۲۷۸۷)

جو مشرک کے ساتھ میل جول رکھے اور ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے تو وہ اس مشرک جیسا ہے۔

- **لا تساکنوا المشرکین ولا تجامعوهم ، فمن ساکنهم أو جامعهم فهو مثلهم .**

(ترمذی ، کتاب البر ، ماجاء فی کراهیة المقام بین أظهر المشرکین :۱۶۰۵)

مشرکوں کے ساتھ سکونت اختیار مت کرو اور ان سے میل ملاپ نہ رکھو، جو کوئی ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے گا یا ان سے میل ملاپ رکھے گا تو وہ ان ہی جیسا شمار ہوگا۔

- **لا تترکوا الذریة ؛ یعنی بإزاء العدو .**

(مراسیل لأبی داؤد ، باب ماجاء فی إنزال الذریة السواحل والثغور :۲۵۳/۱)

اپنی اولاد کو نہ چھوڑو، یعنی دشمن کے درمیان۔

ان احادیث کی وجہ سے عام طور پر غیر مسلم مملکت کی شہریت حاصل کرنے سے منع کیا جاتا ہے؛ لیکن خیال ہوتا ہے کہ یہ احادیث عام نہیں ہیں؛ کیوں کہ اگر یہ عام ہوتیں تو غیر مسلم ملک کے شہریوں پر بہرصورت ہجرت واجب ہوتی؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ شارحِ حدیث علامہ ابن حجرؒ نے اس نہی کو مخصوص صورتِ حال پر محمول کیا ہے، وہ فرماتے ہیں :

أنا بریٔ من کل مسلم یقیم بین أظهر المشرکین ، وهذا محمول علی من لم یأمن علی دینه . (فتح الباری ، کتاب الجهاد والسیر ، وجوب النفیر:۴۸/۶)

(آپ ﷺ کا ارشاد) مشرکین کے درمیان رہائش اختیار کرنے والے ہر مسلمان سے میں بری ہوں، کا مصداق وہ شخص ہے جو اپنے دین کے سلسلہ میں مامون نہ ہو۔

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے دین وایمان کے سلسلہ میں مامون اور مطمئن ہو اور اسلام مخالف ماحول میں ڈھل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو خواہ اس کا مقصد خالص معاشی فوائد حاصل کرنا ہی کیوں نہ ہو اسے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب

غیر مسلموں کو مسلم ملکوں کی شہریت دینا

غیر مسلموں کو مسلم ملکوں کی شہریت دینا شرعاً جائز ہے، کتبِ فقہ میں عقد ذمہ کے عنوان سے اس کی تفصیلات ملتی ہیں، اس عقد ذمہ کی مشروعیت سورۂ توبہ کی جزیہ والی آیت سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے بھی دستور مدینہ میں یہودی قبائل کو مملکتِ مدینہ کے شہری ہونے کی حیثیت دی تھی، دورِ نبوی، دورِ خلفاء راشدین اور بعد کے ادوار میں بھی اہل ذمہ کو مسلم مملکت کی شہریت حاصل رہی؛ اس لئے مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو مستقل شہری کی حیثیت سے آباد کرنا شرعی نقطۂ نظر سے درست اور جائز ہے؛ البتہ اس سلسلہ میں تین باتیں قابل ذکر ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**أخرجوا المشرکین من جزیرة العرب**'' (بخاری: کتاب الجزیۃ، باب إخراج الیہود:۳۱۶۸) اور ''**لا یجتمع دینان فی جزیرة العرب**'' (مؤطا امام مالك ، الجامع : فی إجلاد الیهود من المدینة :۶۷/۱) غیر مسلموں کو مسلم مملکت کی شہریت دینے کے سلسلہ میں ان احادیث کو نظر انداز کر دینا سنگین غلطی ہوگی۔

(۲) استعمار کی سیاہ تاریخ ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ استعمار جہاں بعض ملکوں میں شمشیر و آہن کی جھنکار کے ساتھ آیا، وہیں بعض دوسرے ملکوں میں رہائش اختیار کرنے کے بہانے دبے پاؤں آیا اور آہستہ آہستہ اپنے قدم مضبوط کئے؛ لہٰذا گو فقہاء نے غیر مسلموں کی درخواستِ شہریت کو قبول کرنا واجب قرار دیا ہے؛ لیکن اس طرح کے استعماری عناصر کو شہریت دینے کے سلسلہ میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

(۳) مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو مستقل شہری کی حیثیت سے آباد کرنے کے سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ کہیں ان کی بڑھتی تعداد مسلم مملکت کے لئے خطرے کا باعث نہ ہو اور وہ اپنی کثیر تعداد کی وجہ سے ووٹ کی طاقت کے ذریعہ اسلامی مملکت کی ہی بیخ کنی کردیں، یا بغاوت کر کے اپنی الگ مملکت قائم کرلیں، اسرائیل کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے کہ یہ ناجائز مملکت ۱۹۴۸ء میں یک بہ یک تشکیل نہیں پا گئی؛ بلکہ پہلے وہاں یہود آباد ہونے شروع ہوئے اور برطانیہ کی سرپرستی میں اپنے قدم مضبوط کئے، پھر اس کے بعد اقوامِ متحدہ سے قرارداد پاس کرائی۔

سوال نامہ کے جوابات

(۱) اسلام میں شہریت کی دو بنیادیں ہیں: غیر مسلموں کے لیے عقد ذمہ اور مسلمانوں کے لیے ہجرت، اگر کوئی شخص ہجرت کر کے دارالاسلام آجائے تو وہ پورے دارالاسلام کا شہری ہوگا؛ البتہ اگر کوئی شخص دارالاسلام آئے یا دارالاسلام کا کوئی مسلمان کسی دوسرے علاقے میں مستقل سکونت اختیار کرنا چاہے تو مملکت کو حرج وضرر سے بچانے کے لیے اسے رجسٹریشن کا پابند بنایا جاسکتا، رجسٹریشن کی دی جانے والی درخواست فی الفور بھی قبول کی جاسکتی ہے اور ملی وملکی مفادات کے پیش نظر حالات وزمان کے لحاظ سے سوال میں مذکور کسی بات کو یا کسی اور بات کو بنیاد بنا کر اس کی درخواست معرضِ التوا میں رکھ کر بعد میں بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

(۲) اصلاً تو اس کی درخواست قبول کرنا شرعی نقطۂ نظر سے ضروری ہے؛ البتہ اگر کوئی شرعی مانع اور معقول عذر ہو تو رد کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

(۵،۳) دارالاسلام کا کوئی بھی مسلم شہری دارالاسلام کے کسی بھی علاقے میں چلا جائے حقوق وفرائض کے باب میں اجنبی نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ دارالاسلام کے سارے مسلم شہریوں کو یکساں حقوق وسہولیات حاصل ہیں اور یکساں فرائض وواجبات ان پر عائد ہیں، اس لیے علاقائی بنیادوں پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کرنا شرعاً روا نہیں ہے؛ البتہ پناہ گزینوں کو حق رائے دہی اور حق اُمیدواری سے ا دہ نہ کرنے دینے کی شرعاً گنجائش ہے، واضح رہے کہ شہریت سے مربوط وہ اُمور جو مباح ہوں اور ان کے جواز وعدم جواز کے بارے میں شریعت خاموش ہو، ان کے سلسلہ میں ولی الامر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اسلامی مزاج اور شرع کی اُصولی ہدایات کو سامنے رکھ کر کسی ایک پہلو کو قانون کا درجہ دے۔

(۴) طوالت کے خدشہ کی وجہ سے اور اس موضوع پر مستقل مطبوعہ مقالات کے منظر عام پر آجانے کی وجہ سے اس سے اعتنا نہیں کیا گیا۔

(۶) غیر مسلم ممالک کی شہریت اختیار کرنے کا حکم غیر مسلم ملکوں کے حالات اور شہریت حاصل کرنے والے کے احوال ومقاصد کے اختلاف سے مختلف ہوجاتا ہے۔

- اگر وہ غیر مسلم ملک اسرائیل ہے یا ایسا دارالحرب ہے جہاں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے تو اس کی شہریت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

- اگر کوئی شخص حلال روزی نہ ملنے کی وجہ سے فاقہ کشی کا شکار ہے یا اربابِ اقتدار کے ظلم وستم سے دوچار ہے اور غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے پر مجبور ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا شرعاً جائز ہے۔
- اگر کسی شخص کا مقصد دعوت کی عظیم ذمہ داری کو انجام دینا ہے اور مسلمانوں یا غیر مسلموں کے درمیان اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام کرنا ہے تو ایسے شخص کا غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے؛ بلکہ ثواب کا باعث ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اصلاً دعوتی نقطۂ نظر سے شہریت اختیار کرے؛ لیکن ساتھ ہی اپنی معیشت مضبوط کرنا بھی اس کا مقصد ہو تو یہ بھی جائز ہے۔
- اگر مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو؛ بلکہ محض معاشی فوائد حاصل کرنا یا وہاں کے تعلیمی ماحول سے ا دہ کرنا وغیرہ مقصد ہو تو اگر ماحول میں ڈھل جانے، ایمانی حمیت کے ختم ہو جانے اور دین بیزاری کی رو میں بہہ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسے شخص کا اس غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا اور ایسا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر خیال ہوتا ہے کہ یہ شرعاً جائز ہونا چاہئے۔ وا اعلم

(۷) مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو مستقل شہری کی حیثیت سے آباد کرنے کے موضوع پر فقہاء اسلام نے بسط وتفصیل سے بحث کی ہے، دستورِ نبوی ﷺ میں بھی غیر مسلموں کو مملکتِ مدینہ کا شہری تسلیم کیا گیا اور بعد کے ادوار میں بھی مسلمانوں کا اس پر عمل رہا، اس لیے اس کے جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے؛ البتہ اس سلسلہ میں ملی مفادات اور مسلم مملکت کے مصالح ملحوظ رکھے جائیں، نیز ''**اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب**'' والی حدیث بھی پیش نظر رہے۔